

V47872

Date 23-12-09

Title - MUHAMMAD WILADAT - E - MASEEH .

Author - Saifed Muntaq Ashi .

Publisher - Maisels Bilwas (Lahore) .

Date - N.A .

Pages - 80

Subjects - ~~Qisaiyat~~ ; Maseehiyat .

بَا أَتَمَّهَا النَّاسُ لَوْلَا خَلْقُنَاكُمْ لَمْ يَكُنْ كَرَامَاتِي

ای آدمو پہنو نکو مرده اور عورت سے پیدا کیا (سورہ جاثیہ)

مَحَامِلُ

ولادت مسیح

کے باب میں

آزیز سید احمد خان بھادو بخشیم الہند کی تحریر

اور

مولوی بو سعید محمد حسین شاہ لکھنؤ غم اللہ پورہ کی زبرد میں

از

مولوی سید ممتاز علی صاحب دیوبند

انجمن اخوان الصفا کی طرف سے

مطبع مشربلا اس لاہور میں بطبع ہوا

ولادت مسیح

۲۳۲۶۹۲۱

۲۰۲۰

۲۷۸۷۲

MADE IN INDIA



M.A. LIBRARY, A.M.U.



U47872

2 DEC 2002



ولادت مسیح

تہذیب

CHECKED-2002
Schwarz
18.5

دنیا کی تاریخ سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ جن لوگوں نے قدیمی طریقہ سے خواہ رسوم ملک میں، یا طرز معاشرت میں، یا امور مذہبی میں ذرا بھی انحراف کیا، انکو اپنے ہمجنسوں سے سخت مخالفتیں اور مزاحمتیں پیش آئیں، مگر مبارک ہیں وہ جواں مرد جو اظہار صداقت میں صفحہ وینا پر اپنے خون سے مہرین کر گئے، اور اپنے کارنامے آئندہ نسلوں کے لئے بطور نظیر چھوڑ گئے، مسلمانوں کے نہیں بلکہ ہر قوم کے - ایشیا کے نہیں بلکہ دنیا کے کسی حصہ کی تاریخ دیکھ لو، تمام انبیاء شہداء صلحا میں کوئی ایک بھی ایسا نہ پاؤ گے جس نے ان اصول کے تعلیم میں، جو ان کی قوم کے لوگوں کی سمجھ کے خلاف، یا یوں کہو کہ اس سے اعلیٰ تھے، کامیابی حاصل کی ہو، بلکہ تم دیکھو گے کہ اس کو

ولادت مسیح

اپنے نیک ارادوں کے انجام میں ناکامیابی ، اور اپنے عظیم الشان کاموں کے اتمام میں مایوسی حاصل ہوئی ، غرض کہ جس کسی نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے خیالات سے برتر بات کہی وہ کبھی مقبول نہ ہوئی ، اگر سچائی کا اندازہ کامیابی اور ناکامیابی ہی سے کیا جائے ، تو دنیا میں سچ کوئی شے نہیں ، بلکہ مخالفت و مزاحمت کا نہ ہونا اور لوگوں کا ایک رائے ہو کر کسی امر کا قبول کر لینا اس امر کے صداقت کو مشتبہ کرتا ہے ۔

انجیل مولوی سید احمد خاں صاحب ایس آئی نے جو تحقیق ولادت مسیح علیہ السلام کی تفسیر القرآن میں کی ہے وہ ایک ایسا مضمون ہے جس میں اُن کو صرف جمہور علماء اسلام سے ہے اختلاف نہیں بلکہ وہ کل اہل کتاب کے عقاید کے برخلاف ہے پس بالطبع ایسے مضمون کا لوگوں کے دل پر ویسا ہی اثر ہوتا تھا جیسا کہ ان مضامین کا خاصہ ہے اور ہمارے نجم المہند کو اُس کے جواب میں زمانہ کے لوگوں سے وہی سننا پڑا جو سب شہداء و صلحا کو زمانہ قدیم میں سننا پڑا تھا ، ہمارے علماء میں ایک ٹھٹھک پڑ گیا اور ہر طرف سے یہ ہے آواز آتی ہے کہ ہذا ناشی عجیب سید صاحب نے بزور دلائل عقلیہ و نقلیہ و انجیل و فرقان و کتب تواریخ یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ حضرت مسیح جو انسان تھے وہ انسانوں کی طرح پیدا ہوئے اور انسانوں کی طرح رہے ۔ آخر انسانوں ہی کی طرح مرے ، اُن میں اور اور انسانوں میں

ولادت مسیح

جو کچھ ماہ الامتیاز تھا وہ منصب نبوت تھا۔ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ حضرت مسیحی کو یہ تحریر ناگوار نہ گذرتی اور یہود کو بھی جو سبب شقاوت ازلی کے حضرت مسیح پر طرح طرح کے بُتان باندھتے ہیں یہ تقریر رنج نہ ہوتی، لیکن افسوس یہ ہے کہ اہل اسلام بھی کچھ اس احقاق حق سے خوش نہ ہوئے، باعث اُسکا یہ ہے کہ گو وہ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا نہیں جانتے، بلکہ اُسکا بندہ اور رسول جانتے ہیں، اِلَّا باوجود اقرار انسانیت و عبودیت حضرت مسیح کے اُن کی طرف لوازم انسانیت منسوب کرتے جھکتے ہیں، افراط و تفریط پر انسان کی طبیعت اس قدر مائل ہوتی ہے کہ بجز ایک مضبوط اور غیر متعصبانہ خیال کے انسان اُنکی طرف ضرور جھکتا ہے، خصوصاً مذہبی خیالات کے تائید میں یہ غلطی اکثر واقع ہوتے ہیں، دنیا میں ہزاروں نیک اور صالح اور پارسا آدمی گذر چکے ہیں ہزاروں ریفارمر اور مصلح رہ چکے ہیں؛ مگر سب دنیا کے ہاتھ سے اذیتیں اور مصیبتیں برداشت کرتے چلے گئے، اور وہ عینِ وحشت جیسی کہ وہ بلحاظ اپنی کوششوں اور ہمدردیوں کے مستحق تھے، اُن کو مرتے دم تک نصیب نہ ہوئی لیکن ہر ایک زمانہ کے بعد جب اُن کی کوششیں قدر و منزلت کی آنکھوں سے دیکھی گئیں تو اُن کی صرف اُس قدر تکریم و تعظیم نہیں کی گئی جو درحقیقت اُن کو ملنی چاہئے تھی، بلکہ اُسکو درجہ یہود کی تک پہنچایا گیا، طبقہ اول کی نیت بد تھی، اور جو کچھ وہ کہتے اور کرتے تھے محض اُن بزرگوں کا دل

دکھانے کو کہتے تھے اور طبقہ ثانی کے خیالات نیک نیتی پر مبنی تھے لیکن
 بجز اس فرق کے اور کوئی فرق ان بزرگوں کے طرف ان باتوں کی
 منسوب کرنے میں جو ان میں نہ تھیں نہیں ہے۔ ہماری رائے میں
 ان لوگوں میں جو انبیاء کو نہیں مانتے اور ان لوگوں میں جو ان کو مانتے
 ہیں لیکن ان کی طرف ان باتوں کی نسبت کرتے ہیں جو انسانوں میں
 نہیں ہوتے ہیں کچھ فرق نہیں ہے۔ انسان کو انسان ماننا
 اور اس میں وہ خوبیاں بیان کرنا جو انسان میں ہو سکتی ہیں اس کی
 عزت اور انسانیت کے فخر کا موجب ہے۔ لیکن اسکو دائرہ انسانیت
 سے خارج کر کے اس میں پر وہ خوبیاں بیان کرنا کچھ فخر و عزت کا مقام نہیں
 اگر حضرت مسیح میں وہ رحم دلی جو ان کی تعلیم سے معلوم ہوتی ہے وہ بڑی
 انسان ہونے کے تسلیم کیجاوے تو وہ حقیقت میں فخر انسانیت ہیں۔
 لیکن اگر ان کو فوق الانسان مانا جاوے تو ایسی رحم دلی کیا اس سے
 ہزار درجہ زیادہ بھی اون میں ہونا کچھ فخر کی بات نہیں ہے۔ پس
 جیسا کہ ہماری تحریر سے معلوم ہوا سید صاحب کی تفسیر مخالفین حضرت
 مسیح کو رنج دہ ہے۔ ویسی ہی حد سے زیادہ اعتقاد رکھنے والوں کو
 بھی شاق گذری ہے۔

مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب لاہوری نے بڑی زور شور سے اس کی
 تردید میں کوشش کی ہے اور اس کے جواب لکھنے میں ویسی ہی سختی
 برتا ہے جیسے روسہ عالموں نے حضرت مسیح کے ساتھ روا رکھے تھے۔

اس مضمون نے (خواہ کچھ ہی سبب ہو) نہایت درجہ کی شہرت حاصل کی ہے۔ اور عوام میں مشہور ہے کہ وہ ایک نہایت محققانہ تحریر ہے۔ ہمارا ہرگز یہ منقصد نہیں کہ سید صاحب کی رائے کی ہر باب میں بلا سوچے سمجھے تائید کریں۔ بلکہ ہم ان دونوں تحریروں کو اپنے رویہ و رکتے ہیں اور نہایت ایماذاری سے دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان میں کون سی صحیح ہے اور اُسکو صحیح قرار دینے کے ہمارے پاس کیا وجوہ ہیں۔

مقدمہ

حضرت مسیح کے حالات دریافت کرنے کے ذریعہ استقدر کم اور ناقابل وثوق کامل ہیں کہ ان کی زندگی کے حالات ایک مٹا ہو گئے ہیں۔ سب سے بڑا ذریعہ تحقیق مجموعہ اناجیل ہے۔ لیکن ان میں بھی زیادہ تر ان تین برسوں کی حالات ہیں جو حضرت مسیح نے یسوعیوں کے وعظ و نصایح میں بسر کئے۔ پھر ان میں بھی بمقتضائے تعصبات زمانہ بہت کچھ تغیر ہو گیا ہے۔ حضرت مسیح کی ولادت اور ان کے تیس برس تک کی زندگی کا حال ہمیں کہیں سے معلوم نہیں ہو سکتا جن لوگوں نے حضرت مسیح کے حالات لکھے ہیں۔ وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکے کہ جن مختلف مقامات اناجیل سے جو روشن حالات مسیح پر پڑتے تھے ان مقامات کا انتخاب کیا ہے پر اپنے قیاس و عقل سے نتیجے نکالے ہیں۔ عیسائی جو اناجیل کو بنامہ الہامی جانتے ہیں۔ جو کچھ ان میں مذکور ہوا ہے۔ اُسکو بھی بالکل

یقینی جانتے ہیں۔ لیکن ہم انجیل کا اطلاق بموجب قرآن مجید کے صرف
 اُس حصہ مجموعہ اناجیل پر کرتے ہیں جو حضرت مسیح کو بطور وحی ملا۔
 آؤز واقعات جو اناجیل کے لکھنے والوں نے بیان کئے ہیں۔ اور جو
 رائیں اُن کی نسبت وحی ہیں۔ وہ ایسی ہی قابلِ سہو و خیال ہیں۔
 جیسی اور مؤرخوں کی تحریریں اس لکھنے سے ہمارا ہرگز یہ منشاء نہیں
 کہ اناجیل کے لکھنے والوں کی دیانت دار ہی اور تقدس میں شک
 کیا جاوے۔

پس ہمارا اور ہر ایک نکتہ چہین مؤرخ کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اُن کو اُسی
 نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھے جس سے اور تواریخوں کو دیکھتا ہے۔
 ظاہر ہے کہ ایسی صورتوں میں یقینی نتیجہ کو پہنچنا ایک مشکل اور ممکن
 امر ہے اور جو کچھ ہم دریافت کریں گے اُس کی نسبت یہ ہی کہا جائیگا
 کہ ممکن ہے کہ ایسا ہوا ہو یا یوں ہوا ہوگا۔ ہر ایک قوم نے اپنے بزرگان
 دین کی نسبت اُن کی عظمت و بزرگی زیادہ کر نیکو اپنے او دام باطلہ
 سے طرح طرح کے لغو حکایات بیان کئے ہیں اور عجیب عجیب معجزات لکھے
 ہیں۔ جن کا اکثر حصہ غیر ممکن الوقوع ہے اور اُدَام کی تاریکی نے اصلی
 حالات کو چھپا لیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا گو ہم اصلی حالات اور واقعات
 عقل کے زور سے معلوم نہیں کر سکتے۔ لیکن بعض اُن واقعات کا جو
 غیر ممکن الوقوع ہیں قطعاً انکار کر سکتے ہیں۔ ایسے واقعات کے انکار
 کے واسطے اتنا بھی ضرور نہیں کہ کسی قسم کی شہادت دیکھی جاوے۔

در اُسپر حرج قدح کی جاوے . پس حضرت مسیح کی نسبت جو بعض ایسی روایتیں ہیں جو غیر ممکن الوقوع ہیں تو خواہ حواریوں نے بیان کی ہوں یا کسی اور مؤرخ نے ، مقدس باتوں نے لکھا ہو یا غیر مقدس باتوں نے ، اُن کی نسبت در دوسری کرنی نہ فضولِ عمل ہے بلکہ سراسر نادانی ہے . پس اُنکے وہ معجزات جو غیر ممکن الوقوع ہیں اور وہ طریقہ اُن کی ولادت کا جو بیان کیا جاتا ہے ، جس میں آدم سے لیکر لکھنک کوئی پیدا نہیں ہوا ، ہم اُسی انکارِ محض اِسی بنا پر کرتے ہیں کہ اس قاعدہ کی نظیر قوانینِ فطرت میں موجود نہیں ہے . میں نہیں سمجھتا ، اور نہ ایسا سمجھنے کی معقول وجہ ہے ، کہ کوئی عقلمند حج جسکے روبرو کسی عورت کا بلا شوہر حاملہ ہونا بیان کیا جاوے ، اُسکی عصمت کی تحقیقات کے درپے ہوگا . بلکہ وہ حج اُس دعویٰ کو محض باطل جانکر اپنی تحقیقات کو اس امر کے معلوم کرنے میں محدود کرے گا کہ وہ حل کس سے ہوا ہے . پس حضرت مسیح کی نسبت جو بحث ولادت وغیرہ کے اُس میں وہ سب باتیں فرض کر لینی چاہئیں جو اور انسانوں کے حالات و ریافت کر نیکیے وقت کرتے ہیں ، ہم قوانینِ فطرت کو غیر متغیر اور ناقابلِ تبدیل و تحویل مانتے ہیں اور اپنے سب خیالات اور افعال کی بنا انھی قوانین پر کرتے ہیں ، اور حقیقت میں دیکھو تو ہر ایک شخص عالم و جاہل بڑا اور بچہ طوعا اور کرہا ان قوانین کو غیر متغیر مانتا ہے پس

حضرت مسیح کی نسبت یہ امور تنقیح طلب نہیں ہیں کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے یا باپ سے۔ مریم ولادت مسیح تک باکرہ رہیں یا نہ۔ ان امور کو بحکم قوانین فطرت ہم اول ہی تسلیم کرتے ہیں ضرور وہ کسی سے پیدا ہوئے اور مریم اُس زمانہ تک باکرہ نہیں رہ سکتی تھیں۔ امور تنقیح طلب یہ ہیں کہ حضرت مسیح کا باپ کون تھا؟ اور جو تھا اُس سے حضرت مریم کا نکاح ہونا ثابت ہے یا نہ جسکو مختلف آئیوں کھوکھو کہ آیا حضرت مسیح بطور جائز پیدا ہوئے یا کسی اور طرح؟ (نعوذ باللہ من ذلک)۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ وہ یوسف کے لطف سے جنکے ساتھ مریم کی سنگینی ہو چکی تھی بطور جائز پیدا ہوئے۔ مولوی محمد حسین صاحب ہمارے برخلاف ہیں۔

پس اول ہم یہ دیکھیں گے کہ آیا انجیل کے کوئی ایسی آیات ہیں جن سے مسیح کا یوسف کے لطف سے ہونا پایا جاتا ہے۔ اگر ہیں تو پھر یہ دیکھنا ہے کہ آیا وہ بموجب شریعت موسوی کے بطور جائز پیدا ہوئے یا نہیں؟

ایک بڑی بھاری غلطی جو قریباً سب اہل مذاہب بعض تاریخی واقعات کی تحقیقات میں کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کسی کتاب تاریخ کو یا بالکل صحیح اور اُس کے مصنف یا جامع کو ناقابلِ سو و نیاں سمجھتے ہیں یا برخلاف اس کے اُسکو مطلقاً

ایسے غلط جانتے ہیں کہ اُس کے کسی جزو پر صحت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں سے اگر اثناء بحث میں کوئی سند کسی کتاب تاریخ وغیرہ سے لائی جاوے تو وہ ہم سے یہ اقرار کر اویں گے کہ ہم اُس کتاب کے ہر ایک حصہ کو ویسا ہی صحیح اور راست جانیں جیسا کہ ہم اُس کی کسی عبارت متمسکہ کو سمجھتے ہیں۔ اگر ہم اُس کے کسی حصہ کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں تو ہم پر ترجیح بلا ترجیح کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اس غلطی کا نشانہ ہمیشہ قانون قدرت سے آگاہ ہونا اور اُن اصول و قوانین کا نہ جاننا ہے جسے تاریخی واقعات کا روایات و حکایات مشہورہ سے استخراج کیا جاتا ہے اور جن پر کل علم تاریخ کی بنیاد ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ کسی امر مندرجہ تواریخ کو جسکی مخالفت نہ کسی قانون قدرت سے ہے نہ عقل انسانی سے اور جو نہ کسی اور سبب سے خلاف قیاس ہے مسترد کیا جاوے۔ لیکن ہر ایک طرح ہلکویہ اختیار حاصل ہے کہ اُسی کتاب کے ایک اور واقعہ کو جو قانون قدرت کے برخلاف ہے اور جس سے ابطالِ علوم ضروریہ کا لائق آتا ہے فوراً باطل قرار دیں۔ لیکن اُسی اور واقعات مندرجہ تواریخ مذکور کو بھی جسکا خلاف ہم کسی طرح ثابت نہیں کر سکتے نا معتبر ٹھرانا سراسر جہالت ہے۔ یہی اصول ہے جس سے ہزاروں تاریخی واقعات کا استنباط کیا جاتا ہے۔ ہمیں کتب تواریخ

ولادت مسیح

اہل ہندو سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں ہنومان ایک شخص گذرا ہے جو بڑا بہادر آدمی تھا۔ اُسکا بہت کچھ حال لکھا ہے جسکو ہم بلا کسی قانون قدرت کے ٹوٹنے کی تسلیم کر سکتے ہیں لیکن اُسکا پھاڑ اُٹھا لانا جو اُسی تواریخ میں مذکور ہے ہم تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ اس سے قانون قدرت سے انحراف لازم آتا ہے۔

اسی طرح ہم یقین کرتے ہیں کہ رستم ایک شخص ہوا ہے جو ایک بڑا پہلوان تھا۔ مگر جس کتاب سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے اُس میں بہت سی ایسی باتیں بھی موجود ہیں جنکو کوئی عقل تسلیم نہیں کر سکتی۔

یہی غلطی حضرت مسیح کے حالات کی تحقیق میں مولوی محمد حسین صاحب سے ہوئی اُن کا منشا یہ ہے کہ یا تو ہم عیسائیوں کے کتاب سے سند ہے نہ لادیں اور اگر لائیں تو اُس کے ایک ایک فقرہ ایک جملہ ایک لفظ کو مثل وحی منزل سمجھیں۔ یہ ہی باعث ہے کہ وہ کبھی امور با فوق العادہ مندرجہ انجیل کو ہمارے روبرو پیش کرتے ہیں۔ کبھی انجیل کی تحریف پر بحث کرتے ہیں۔ کبھی کیتوزسائیکلو پیڈیا کے مصنف کی وہ بات جو ہمارے مخالف مدعا ہیں پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم انجیل میں دیدہ و دستہ تعریف لفظی کے قائل نہیں ویسا ہی اُسکو انسانی سہو و نسینہ - تقدم و تاخر حذف و زیادت کے آمیزش سے مبرا نہیں جانتے۔

اور اُسکو صرف مورخانہ نظر سے دیکھتے ہیں۔

بنظر آسانی ہم اُسی ترتیب سے جواب لکھتے ہیں جو مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں ملحوظ رکھی ہے۔ پس اول ہم بحث عقلی پر جو سید احمد خان صاحب بھادر نے کی ہے نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ مولوی محمد حسین صاحب کی اُس پر کیا نکتہ بندی ہے اور وہ کس قدر صحیح ہے۔

بحث عقل

اس بات کے ثبوت میں کہ حضرت مسیح بے باپ پیدا نہیں ہوئے سید احمد خان صاحب بھادر نے مفصلہ ذیل تقریر تفسیر القرآن میں کی ہے ”عیسائی اور مسلمان دو نو خیال کرتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ صرف خدا کے حکم سے عام انسانی پیدائش کے برخلاف بغیر باپ پیدا ہوئے تھے اگر ایسا ہی ہونا فرض کیا جائے تو اول اس بات پر غور کرنے ہو گے کہ بن باپ پیدا کرنے میں حکمت الہی کیا ہو سکتی ہے۔ ایسے واقعات جو خلاف عادت یا مافوق الفطرت تسلیم کئے جاتے ہیں اُن سے یا تو قدرت کاملہ پروردگار کا اظہار مقصود ہوتا ہے یا اُن کا وقوع بطور معجزہ مانا جاوے“

۱۔ جبکہ خداوند تعالیٰ اقسام حیوانات کو بغیر نوالد و تناسل عاداتاً پیدا کرتا رہتا ہے اور خود انسان کو بھی بلکہ تمام حیوانات کو ابتداً اُسی طرح پیدا کیا یا یوں کہو کہ حضرت آدم کو بے مان و بے باپ کے پیدا کیا تھا تو حضرت عیسیٰ کو صرف بے باپ پیدا کرنے میں اُس

زیادہ قدرت کاملہ کا اظہار نہ تھا۔

۴۔ اگر یہ خیال کیا جاوے کہ صرف ماں سے پیدا کرنا دوسری طرح اظہار قدرت کاملہ تھا تو یہ بھی صحیح نہیں ہوتا اس لئے کہ اظہار قدرت کاملہ کے لئے ایک امر تین اور ایسا ظاہر ہونا چاہئے کہ جن میں کسی کو شبہ نہ رہے۔ بن باپ کے مولود ہونا ایک ایسا امر مخفی ہے جسکی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اظہار قدرت کاملہ کے لئے کیا گیا ہے۔

۵۔ ”بطریق اعجاز حضرت عیسیٰ کے بن باپ کے پیدا ہونے پر معجزہ کا اطلاق بھی نہیں ہو سکتا۔ معجزہ بقابلہ منکر ان نبوت صادقات ہوتا ہے قبل ولادت حضرت مسیح بلکہ قبل اذعائے نبوت یا الوہیت کوئی شخص منکر نہیں ہو سکتا تھا۔ پر معجزہ کیونکر کہا جاسکتا ہے۔ علاوہ اس کے جبکہ اُن کی ولادت ٹھیک اُسی طرح پر واقع ہوئی تھی جس طرح کہ عموماً بچوں کے ہوتی ہے کہ نو ماہ تک حمل میں رہے اور بر وقت ولادت حضرت مریم پر وہ حالات طاری ہوئے جو عموماً عورتوں پر ہی پیدا ہونے میں طاری ہوتے ہیں تو کیسیطرح اعجاز اُن کے پیدا ہونیکا کسی کو احتمال نہیں ہو سکتا تھا۔“

مولوی محمد حسین صاحب کوئی معقول نکتہ چینی اس مقام پر نہیں کر سکتے اور ہم کیسیطرح مولوی صاحب کے اعتراضوں کو صحیح نہیں کہہ سکتے مولوی صاحب نے سید احمد خان صاحب بکا در کے دلائل کو فی الجملہ تسلیم کر لیا ہے اور آخر یہ کھڑکھڑا چھوڑا یا ہے کہ منکروں کا

شک و شبہ تو مشاہدات یقینیہ سے بھی رفع نہیں ہوتا چہنا نہجو مولوی صاحب کی تقریر بحسنہ ذیل میں درج کیجاتی ہے
 اوّل (جو ظاہر قرآن پر مبنی ہے) یہ ہے کہ بیشک مسیح ظاہر اور
 علانیہ طور پر بغیر باپ کے پیدا ہوئے جسکو اہل ایمان اور انصاف
 نے مان لیا اور منکروں نے اسی سبب سے بہت مت زنا منہم کیا اور
 صاف کھدیا کہ اے مریم تو یہ بہتتان لائی نہ تیرا باپ بُرا نکھانہ تیری
 ماں بدکار تھی۔ اور شک و شبہ منکروں کا تو مشاہدات یقینیہ سے
 بھی رفع نہیں ہوتا۔ جب منکروں نے کسی روشن نشانی کو دیکھا
 تو ہذا سحر و سبین ہی کہا۔

جواب دو علم جو ظاہر انجیل کے تسلیم پر مبنی ہے کہ گو یہ امر اور دُپر
 ایک مدت تک مخفی رہا مگر حضرت مریم اور یوسف کو تو معلوم تھا اور
 اہل تسلیم اور ایمان کے سامنے ظہور کمال قدرت الہی کے واسطے
 صرف مریم صدیقہ کا بیان کافی ہے۔ بہت سے عجائبات بحالات
 قدرت الہی ابتدا پیدائش و عالم برزخ و عالم اخروی کے ایسے ہیں
 جنکو اور کسی نے نہیں دیکھا۔ صرف انبیاء نے بیان کیا اور اہل ایمان
 نے مان لیا۔ یہی منکر سو انکا ماننا تو مشاہدات عامہ کو بھی ممکن
 ہے۔

قبل از وجود نبی یا نبوت نبی بھی معجزہ کا وجود ممکن بلکہ واقع ہے۔
 انجیل لوک باب اول محل یحییٰ کا حل مسیح کے لئے اچھلنے کا قصہ ہے

گواہ ہے اور حدیثوں میں بہت سے خوارق اس امر کے مؤید و شاہد موجود ہیں۔ جیسے قبل نبوت آنحضرت صلعم کی طرف دختوں کا سجدہ کرنا اور ایک پتھر کا آنحضرت صلعم کو سلام کرنا۔ کسریٰ کے گھر میں زلزلہ واقعہ ہونا۔ فارسیوں کی آگ کا بجھ جانا جو ہزار سال سے کبھی نہیں بجھی تھی۔ آپ پر بادل کا سایہ رہنا۔ ایک خشک درخت کا آپ کے نزول سے سرسبز ہونا وغیرہ۔

ظاہر قرآن سے حضرت مسیح کا بے باپ پیدا ہونا ثابت نہیں نہ قرآن مجید میں اس بات کا کہیں اشارہ ہے کہ مریم صدیقہ کو بھعد نے بہمت زنا متسم کیا جو قول یہود کا قرآن مجید میں نقل ہوا ہے اُس میں تہمت زنا کی کہیں بنیان نہیں ہوئی۔ پس مولوی صاحب کا دعویٰ بلا دلیل ہے جواب دوم جو طہر انجیل پر مبنی کنا گیا ہے ثبوت دعویٰ کیواسطے ناکافی کیونکہ اولاً اظہار قدرت کاملہ کے اہل تسلیم کے لئے اس قدر ضرورت نہیں جس قدر منکرین کو ہے۔

ثانیاً۔ کوئی قول مریم صدیقہ کا اس مضمون کا انجیل میں بیان نہیں ہوا جس میں حضرت مسیح کا بلا باپ پیدا ہونا امر متغایان ہوا ہو۔

ثالثاً۔ ایک ایسی ظہور کمال قدرت الہی کے ثبوت میں جو بقول آپ کے صرف مریم صدیقہ کے ہے بیان سے ثابت ہوتا ہے مریم صدیقہ کا ہی قول بطور دلیل پیش کرنا اثبات شئی لنفسہ نہیں نوا اور کیا ہے۔ پس مولوی صاحب کا یہ کنا کہ اہل تسلیم و ایمان کے سامنے ظہور کمال قدرت

الہی کے واسطے صرف مریم صدیقہ کا بیان کافی ہے بہت سی عجائبات و کمالات قدرت الہی ابتدائے پیدائش و عالم برزخ و عالم اخروی کے ایسے ہیں جنکو اور کسی نے نہیں دیکھا۔ صرف انبیاء نے بیان کیا اور اہل ایمان نے مان لیا۔ ایک ایسی بات ہے جسکی تردید کیواسطے اُسکا لکھنا یا پڑھنا کافی ہے۔ ہر ایک دین باطل کا معتقد اپنے مذہب کی تائید میں یہی قول مولوی صاحب کا بطور حجت بیان کر سکتا ہے۔

جواب نمبر ۳۔ اس بحث عقلی میں مولوی صاحب نے بالکل بحث عقلی و نقلی کو خلط ملط کر دیا ہے اور بجائے اسکے کہ سید صاحب کے اس اعتراض کے جواب میں کہ وجود نبی سے پہلے کوئی منکر نبوت نہیں ہو سکتا اور اسواسطے معجزہ بھی جو متقابلہ منکران نبوت میں ہوا کرتا ہے نہیں ہو سکتا کوئی دلیل عقلی بیان کرتے چند بے بنیاد خوارق جنکی اصلیت مذہب اسلام میں خیالات شاغانہ سے زیادہ نہیں دلائل عقلیہ کے جواب میں نقل کر دئے۔ حالانکہ ان خوارق کے نسبت بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہی بطور اعجاز واقع نہ ہوئے تھے کیونکہ اسوقت بھی کوئی منکر نبوت آنحضرت صلعم نہ تھا۔ پس مولوی صاحب نے دلیل عقلی تو کوئی بیان نہ کی تھی مگر دلیل نقلی بھی مصادیق علی المثلودب سے خالی نہیں ان دلائل سے مولوی صاحب کی قوق اسندلال معلوم ہو سکتی ہے اور ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے کہ مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ شہید احمد خان صاحب کی کوئی بحث کذب و مغالطہ سے خالی نہیں کہانتک درست ہے۔

ہمارا اپنا اعتراض مسیح کی ولادت خلاف عادت پر یہ ہے کہ اس طرح کا طریقہ پیدائش خلاف قانون فطرت انسانی ہے اور اس کی نظیر عالم فطرت میں موجود نہیں اور بس۔ اور یہی دلیل اس بات کی بھی ہے کہ ولادت مسیح بطور معمول ہوئی تھی اور اس بات کے ثبوت ہیں کہ مسیح یوسف کے ختم سے تھا ہم امور مفصلہ ذیل ایسے پیش کرتے ہیں جو مولوی صاحب کے نزدیک بھی مسلم ہیں۔

(۱) مسیح انسان تھا۔ انسانوں کی طرح کھانا پیتا تھا۔

(۲) مریم صدیقہ اس کی والدہ تھی۔

(۳) یوسف مریم کا شوہر تھا۔ یا فرض کرو کہ مریم یوسف کی منسوبہ تھی۔

(۴) یوسف کے سوا مریم کا اور کسی آدمی سے کسی قسم کا تعلق ثابت نہیں۔

(۵) یوسف اور مریم نے مسیح کی پرورش کی۔

(۶) یوسف نے کبھی اس سے انکار نہیں کیا کہ مسیح میرا بیٹا ہے

اگر کہیں انکار کیا تو اس مقام کا نشان دو۔

(۷) عوام بھی (تا وقتہ کہ حضرت مسیح نے اُن کے مذہبی امور میں

دست انداز می کر کے اُن کو اپنا دشمن بنالیا) اُن کو یوسف کا بیٹا ہی جانتے

تھے اور اُسی نام سے پکارتے تھے۔

اب ہم مولوی محمد حسین صاحب سے اور اُن کے سب پیچھا لوں سے

پوچھتے ہیں کہ ان امور ہفت گار سے کیا نتیجہ نکلتا ہے اگر تمہیں تاریخی

تحقیقات میں کسی تاریخی شخص کی نسبت اسقدر امور معلوم ہوں تو کیا
پھر بھی اُسکے باپ کے متعین کرنے میں کچھ مشکل رہ سکتی ہے۔ پر کیوں
حضرت مسیح کے باب میں شک کئے جاتے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ ان امور ہفتنگانہ کی معلوم ہونیکے بعد بھی طرح طرح کے
احتمال کا امکان ہے اور صرف ان امور کے معلوم ہونے سے وہ سب
مراتب طے نہیں ہو سکتے جو کسی واقعہ کی صداقت یا عدم صداقت کے
ثبوت کے لئے قواعد طریقہ استدلال کی رو سے طے ہونے چاہئیں۔ لیکن
ولادت انسانی ایک ایسا امر مخفی ہے کہ اس قسم کے احتمال صرف حضرت
مسیح کی نسبت ہی نہیں کئے جاسکتے بلکہ اور انبیا اور نیز ہر ایک شخص کی
باب میں اس احتمال کا امکان ہے لیکن ان شکوک کے امکان سے بچنا
مخالف کے جسے حضرت مسیح کا بطور جائزہ پیدا ہونا مراد ہے سلب ضرورت
لازم نہیں آتی۔ اور تا وقتیکہ کوئی ایسی بات ثابت نہ کر دی جاوے،
جس کا احتمال بیان کیا جاتا ہے، اُن شکوک کو ہمارے اُس نتیجہ کے مقابلہ میں جو
ہم امور ہفتنگانہ مذکورہ بالا سے نکالتے ہیں، کسی قسم کی وقعت حاصل نہیں
ہو سکتی۔ پس اتنا تو ضرور تسلیم کرنا پڑیگا کہ مسیح یوسف کے تخم سے
تھا۔ اب جو کچھ کلام رہیگی اُن کے مولود جائیز یا (معاذ اللہ) ناجائز ہونے
پر ہیگی۔ پس اگر ہم اتنا اور ثابت کر دیں کہ اُس زمانہ میں شریعت موسوی
میں منکوحہ و منسوبہ میں کچھ فرق نہ تھا، تو اُنکا یوسف کا مولود جائیز ہونا
بھی بخوبی ثابت ہو جائیگا۔ اس لئے اب ہم بحث نقلی کے طرف متوجہ

ہوئے ہیں، اور پہلی آیات انا جیل پر غور کرتے ہیں۔

بحث نقلی

بحث از انا جیل و خواشی آن

اس بحث میں چونکہ ایک ہڑنصروری اور قابل بحث واقعہ جسکے اوپر تمام عام مسلمانوں اور مسیحوں کے نزدیک حضرت مسیح کے خلاف معمول طور پر پیدائشی کے ثبوت کا مدار ہے، وہ واقعہ ہی جس میں مریم صدیقہ کے پاس فرشتہ کا آنا اور مریم کا اُس سے سوال و جواب کرنا بیان کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ انجیل اور قرآن مجید دونوں میں بیان ہوا ہے اور چونکہ قرآن مجید میں بعض الفاظ ایسے واقع ہوئے ہیں جس سے کہ اُس واقعہ کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے اس لئے ہم اُسکو اس جگہ مجملہ بیان کر دیتے ہیں کہ ہمارے اگلے ابحاث سمجھنے میں وقت نہ ہو۔

آیۃ فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لها

بشرًا سويا (مریم)

یہی واقعہ انجیل و تورات باب اول میں بیان ہوا ہے۔ اس طور سے فرشتہ کے دیکھنے کو کتاب مقدس میں قطع نظر اس سے کہ فرشتہ کو حالت خواب میں دیکھا جائے یا حالت بیداری میں، برویا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انجیل میں اس بات کی کہ وہ فرشتہ حضرت مریم کو حالت خواب میں دیکھ لائی دیا تھا یا بیداری میں کچھ تشریح نہیں کی گئی۔ اور الفاظ انجیل محفل ہر دو وجہوں کے ہیں

ولادت مسیح

لیکن سید صاحب بعض قراین سے اس واقعہ کا حال تدویا میں ہونا قرار دیا ہے
چنانچہ انکی تقریر ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

بعض علماء کا یہ قول ہے کہ اس سورہ میں جو خطاب فرشتوں کا حضرت مریم سے ہے وہ بطریق
الہام اور روع فی النفث اور التفانی القلب کہ ہے مگر محجوب کچھ شبہ نہیں ہے جیسے کہ
سبب اق کلام سے پایا جاتا ہے کہ امر بشارت جو اس سورہ میں اور سورہ مریم میں بیان
ہوا ہے وہ ایک ہی واقعہ ہے اور رویا میں واقع ہوا تھا ، اور سنٹ منٹی
کی انجیل سے بھی ایسا ہی مستنبط ہوتا ہے ، کیونکہ بموجب اُس انجیل کے
یوسف کو بھی اس فعل کی خبر خواب میں بذریعہ فرشتہ کے دی گئی تھی۔
مولوی صاحب نے اس کی نسبت یہ رائے ظاہر کی ہے :-

لفظ رویا یا خواب اس موقع پر نہ قرآن مجید میں ہے نہ انجیل میں ہاں یوسف
کے پاس فرشتہ کا خواب میں ظاہر ہو کر حل کی خبر دنیا مذکور ہے ۔ اس سے
یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مریم کے پاس بھی وہ خواب میں ہی آیا ہو۔

گو ہم بھی اس واقعہ کا حالت خواب میں ہونا ضروری نہیں سمجھتے لیکن
اس اعتراض میں بھی مولوی صاحب کو غلطی سے برسی نہیں کر سکتے ۔

ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ رویا کا لفظ نہایت وسیع معنی میں کتاب مقدس
میں مستعمل ہوتا ہے ۔ پس اگر مقام مذکور پر رویا کا لفظ ہوتا بھی ، تب بھی
اُس سے یہ متعین ہونا کہ آیا وہ رویا خواب تھا یا بیدار میں ہوا تھا ، ایک ناممکن

ومن الناس من قال ان ذلک کان علی سبیل النفث فی الروع والالہام والابلاق
فی القلب لکان فی حق ام موسیٰ علیہ السلام فی تولد وادحنا الی ام موسیٰ ۔ تفسیر کبیر

امر ہوتا۔ پس مولوی صاحب کی بنا، دلیل یہاں بھی سراسر غلط ہے۔ حضرت
ذکریا کے پاس فرشتہ کا آنا (جو قرآن مجید میں بھی بیان ہوا ہے) انجیل میں
رویا سے تعبیر کیا گیا ہے (دیکھو لوقا باب ۱) حالانکہ ذکر یا اس وقت بیدار تھا
اور ہیکل میں عبادت کو گیا تھا۔

چونکہ انجیل سے اُسکا فیصلہ نہیں ہو سکتا اس لئے ہم قرآن مجید کے طرف رجوع
کرتے ہیں اور اُس میں وہ آیت ہی جو ہمارے بحث کے اس حصہ کا عنوان ہے۔
قرآن مجید میں بھی کوئی ایسا لفظ موجود نہیں جس سے اس واقعہ کا خواب ہونا
پایا جاتا ہو، اور نہ کوئی قطعی دلیل یا قریب القطعی ایسا ہے جس سے
اُس واقعہ کو خواب تسلیم کیا جائے۔ مگر با اس ہمہ مولوی صاحب کا مطلب کسی طرح
ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ہماری رائے میں بھی یہ واقعہ روایتھا جو حالت بیداری
میں واقع ہوا تھا۔ اور سید صاحب کی تقریر مذکورہ ذیل نہایت ہی صحیح
اور معقول ہے۔

تمام یہودی یقین رکھتے تھے کہ اُن میں ایک مسیح پیدا ہونے والا ہے۔

۱۱ فنادتہ (ان کی کتاب) الملائکہ وہو قائم بصلی فی الحجاب اللہ یشہد بجمعی (۱۱)

(۱۱) تب اُنکو خداوند کا فرشتہ ندیج بخبر کے دہنے طرف کھڑا ہوا دکھائی دیا (۱۲) اور ذکر یا

دیکھ کر گہرا یا اور ڈر اُس پر غالب ہوا (۱۳) پر فرشتہ نے اُس کو کھانے ذکر یا مت ڈر

(۱۴) اور لوگ ذکر یا کی راہ دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے کہ وہ ہیکل میں دیر کرتا ہے۔

(۱۵) جب باہر آیا اُن سے بول نہ سکا اور وہ جان گئے کہ اُس نے ہیکل میں روایا

دیکھا تھا۔ (لوقا باب اول)

ولادت مسیح

جو یہودیوں کی بادشاہت کو پر قائم کر لیا۔ اس لئے یہودی اور یہودی عورتیں بیٹا ہونے کی نہایت آرزو رکھتے تھیں اور دعائیں مانگتی تھیں، اور عبادتیں کرتی تھیں کہ وہ شخص ہمارا ہی بیٹا ہو۔ ایسی حالتوں میں انکا اس قسم کی خوابوں کا دیکھنا، یا بن بولنے والے کے آوازوں کا سننا یا تخیل میں کسی مجسمے کا دکھائی دینا ایسا امر ہے جو بمقتضائے فطرت انسانی واقع ہوتا ہے۔

سید صاحب کی اس تقریر کی قرآن مجید سے بھی تائید ہوتی ہے اور اس واقعہ کو خواب قرار دینے کی کچھ ضرورت ہی نہیں۔ لفظ تمثیل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں کوئی فرشتہ تھا، بلکہ محض وہم و خیال تھا۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے تمثیل کا ترجمہ بنکر آیا کیا ہی نگر۔ اسکا ترجمہ دکھائی دیا یا آنکھوں میں صورت بگڑتی کہیں کریں تو بہت چسپان ہے۔ عوب کہتے ہیں تمثیل الشیء ای تصور مثالہ وتمثل الشیء لفلان فقہاء ہی معنی کتب لغت عربی مثلاً محیط الحیط وغیرہ میں لکھے ہیں اور یہی معنی محاورہ عوب اور عام بول چال میں مروج ہیں۔

امام فخر الدین رازی نے بھی تفسیر کہیں میں اس لفظ کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے چنانچہ سورہ یوسف میں بذیل آیت ہمت بہ وہم دیھا لولا ان رای برہان ربہ (سورہ یوسف)

نقلوا عن ابن عباس انہ تمثیل لہ یعقوب	یعنی روایت ہے کہ جب عیسیٰ
فرآہ عاضا علی اصابعہ وبقول لہ اعمل علی	کی عورت یوسف علیہ السلام
الفتار وانت مکتوب فی زمرة الانبیاء	کو گھر میں لیگی اور دروازہ
وقال سعید بن جبیر تمثیل لہ یعقوب	بند کر کر انکو برائی پر آمادہ کیا

فَضْرِبْ فِي صَدْرِهِ . قَالُوا إِنَّ سَمْعَ فِي الْهَوَاءِ قَائِلٌ يَقُولُ يَا ابْنَ يَعْقُوبَ لَا تَكُنْ كَالطَّيْرِ وَغَيْرِهِ تَفْسِيرُ كَبِيرٍ جَلِيدٍ تَمَثَّلْ لِرِيعَقُوبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَاضَا عِلَى اَمَلْتُهُ تَفْسِيرُ ابْنِ سَعُودِ	تو وہ کیا دیکھتے ہیں کہ گویا اُن کے والد ماجد گشت بدنِ ان سامنے کھڑے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ میں نبی ہو کر ایسا نالایقی کا کام کرتا ہوں؟ سید بن حنیف کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ اُنکے سینہ پر تیار بعضوں نے کہا ہے کہ اُنہوں نے غیب سے کوئی آواز سنی۔
---	--

ان مقامات تفسیر کبیر سے نہ صرف لفظ تمثیل کی معنی ہی معلوم ہوئے بلکہ ان سے نفس انسانی کے کیفیات اور انکا اثر اور جو اس قوی پر بھی ظاہر ہوتا ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے خیال نے نہ صرف اُنکے والد ماجد کی صورت ہے پیش کی بلکہ کانوں نے اُنکی آواز سنی اور جسم نے اُن کی طرح محسوس کی گویا باصرہ - سامعہ - لامسہ - تینوں قوتوں نے وہو کہ کھایا۔ حضرت مریم کو بھی ایسی ہی صورت پیش آئی یعنی جب وہ عبادت میں فنن تنہا مشغول تھیں تو اُن کی آنکھوں میں ایک ایسی صورت بندھ گئی کہ گویا کوئی درختہ سامنے کھڑا ہے اور اُس چیز کی بشارت دے رہا جسکے اُنکو مدت سے تمنا تھی۔ اُن کے حس باصرہ اور سامعہ نے دھوکا کھایا اور اُنہوں نے حقیقی آدمی جان کر اُن سے سوال کیا اور جو اُن کے دل میں خیال تھا وہ بھی بطور جواب کے سنا۔ اس طرح حس باصرہ اور سامعہ کا غلطی کرنا ایک معمولی بات ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اگر اسکو کچھ تعجب کی بات سمجھا جاتا ہے تو تمثیل یعقوب علیہ السلام زیادہ تعجب اور حیرت کی بات ہے کیونکہ یوسف علیہ السلام کے باصرہ اور سامعہ ہی نے غلطی نہیں کی بلکہ قوت لامسہ نے بھی جو اور قوی کی نسبت زیادہ تر یقین دلاتی ہے

احساس میں غلطی کی۔ حالانکہ اس واقعہ پر کسی قسم کا تعجب ظاہر نہیں کیا جاتا۔ جب اس واقعہ کی حقیقت معلوم ہو گئی اور یہ ثابت ہو گیا کہ امر شارت ایکے دیا تھا تو اب اصلی بحث کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

پہلی دلیل جو سید صاحب نے اس بات کے ثبوت میں دی ہے کہ حضرت مسیح یوسف کا بیٹا تھا یہ ہے کہ بموجب کتاب مقدس کے مسیح کا نسل داؤد سے ہونا ضرور ہے اور وہ بغیر اسکے کہ وہ یوسف کے تخم سے ہوں ثابت ہونا ناممکن ہے۔ چنانچہ سید صاحب کی تقریر مختصر طور پر ذیل میں درج کی جاتی ہے

مسیح کی نسبت یقین کیا جاتا تھا کہ وہ داؤد کی نسل سے ہونگے۔۔۔۔۔ جنہوں نے انکو مسیح موعود مانا اور عیسائی یا نصاریٰ کہلائے، ان سب کو کامل یقین تھا کہ وہ حضرت داؤد کی اولاد میں ہیں۔ انجیل متی میں لکھا ہے یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابراہیم اور لوقا کی انجیل باب ۲۷-۱ اور متی کی انجیل باب ۲۰ سے پایا جاتا ہے کہ یوسف حضرت مریم کا شوہر داؤد کی نسل سے تھا۔ مسلمان بھی قرآن کے رو سے جیسا کہ سورہ انعام میں لکھا ہے حضرت عیسیٰ کو حضرت ابراہیم کی ذریت سمجھتے ہیں۔ پس اگر حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے ہوں تو وہ نسل داؤد یا اولاد ابراہیم سے کیونکر قرار پا سکتے ہیں۔

اگر یہ کہا جاوے کہ ماں کے سبب سے ان کو داؤد کی نسل سے قرار دیا گیا ہے تو یہ بات دو وجہ سے غلط ہے اول اس لئے کہ یہودی شریعت میں عورت کی طرف سے نسبت قائم نہیں ہو سکتا۔ دوسرا یہ کہ حضرت مریم کا بھی داؤد کی نسل سے ہونا ثابت نہیں۔ قرآن مجید میں حضرت مریم کے باپ کا نام عمران لکھا ہے

جو داؤد کے نسل سے نہ تھا۔

علاوہ اس کے خود انجیل میں مسیح کو متعدد مواقع میں یوسف کا بیٹا لکھا گیا ہے چنانچہ وہ مقامات بھی نقل کئے جاتے ہیں :-

متی باب ۱ آیت ۵۵ - کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں، کیا اسکی ماں مریم نہیں کہلاتی؟
یوحنا باب ۱ آیت ۴۲ - کیا یہ یسوع یوسف کا بیٹا جسکے ماں باپ کو ہم پہچانتے ہیں نہیں ہے؟

یوحنا باب ۱ آیت ۴۵ - جسکا ذکر موسیٰ نے توریت میں کیا ہے وہ یوسف کا بیٹا یسوع ناصری ہے۔

لوقا باب ۱ آیت ۲۷ - جب ماں باپ لڑکے یسوع کو اندر لائے۔
لوقا باب ۱ آیت ۴۱ - اُسکے ماں باپ ہر برس عید فصح میں یروشلم کو جاتے تھے۔
لوقا باب ۱ آیت ۴۸ - اے بیٹے کس لئے تو نے ہم سے یہ کیا؟ دیکھ تیرا باپ اور میں کڑھتے ہوئے تجھے ڈھونڈتے تھے؟

پس توریت سے مسیح کی اولاد داؤد ہونیکے ضرورت، اور انجیل سے واقع میں اُنکا اولاد داؤد ہونا اظہر من الشمس ہے۔ جن آیات مذکورہ بالا سے حضرت مسیح کا پسیر یوسف ہونا ثابت ہے، وہ ایسی صریح آیات ہیں کہ بجز تبدیل و تاویل کے کئے طرح اُن سے انکار نہیں ہو سکتا، اور مولوی صاحب کو بھی بجز تاویل کے اور کوئی سبیل دفع الوقتی کی نہیں ملی ہے۔

بجواب تقریر سید صاحب مولوی صاحب نے اول اُس رویا کو انجیل متی اور لوقا سے نقل کیا ہے، جسکا ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور اُسکے بعد فرماتے ہیں کہ اُن آیات

کی جنہیں مسیح کو یوسف و داؤد کا بیٹا کہا ہے بایں طورتا دلیل واجب ہے کہ وہ ان بیٹی سے شرعی اور سببی بیٹا مراد ہے۔ صلیبی بیٹا مراد نہیں ہے۔ اور دلیل اس تاویل کی یہ بیان فرمائی ہے کہ صحیفہ یسعیاہ میں باکرہ کا حاملہ ہونا بیان کرنا مریم کا قبل ہمبستر ہونیکے حاملہ پایا جانا، اور بحواب استبعاد مریم کے کہ میرا کیونکر بیٹا ہوگا، فرشتہ کا یہ جواب دینا کہ خدا کے آگے کوئی امر ناممکن نہیں، اور اُنکی نظیر میں ایک خلاف عادت امر (باجحہ کا حاملہ ہونا) کو پیش کرنا صاف یقین دلاتا ہے کہ مسیح یوسف کے لطف سے پیدا نہیں ہوا۔

ہم صحیفہ یسعیاہ کی پیشگوئی کا مطلب اور قبل ہمبسترو ہونیکے معنی آگے چکر بیان کریں گے۔ یہاں صرف استدہار کنا چاہتے ہیں کہ مریم کے استبعاد اور فرشتہ کی نظیر اور خلاف عادت پیش کرنے سے کسیدطرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسیح تخم یوسف سے نہ تھا۔ کیونکہ حقیقت میں نہ مریم کے پاس کوئی فرشتہ آیا تھا اور نہ کوئی گفتگو ہوئی تھی بلکہ یہ سب کچھ مریم کے متخید کا نتیجہ تھا اور جو کچھ انگو نظر آیا وہ سراسر وہم و خیال تھا۔ اس بات کی دلیل نقلی کہ یہ محض ایک خیالی واقعہ تھا ظاہر قرآن پر مذہبی ہے، جہاں صاف لفظ تمثیل موجود ہے، رہی دلیل عقلی سو عقل کے نزدیک کسی طرح ان اقسام کے خیالوں کا آنا، خصوصاً جب انسان کے دل میں اسی قسم کے خیالات پیشتر سے موجود ہوں، کچھ بھی شکل نہیں۔ تمثیل کی تحقیق میں جو مقامات تفصیل مابانی سعود سے نقل ہوئے، اُن سے معلوم ہوا ہوگا کہ حضرت یوسف نے حضرت یعقوب کو نہ صرف آنکھوں ہی سے دیکھا بلکہ یہ بھی محسوس کیا کہ اُنہوں نے اُن کے سینہ پر ہاتھ مارا، حالانکہ وہاں یعقوب موجود نہ تھے، لیکن حضرت یوسف کے

دل میں یہ خیال تھا کہ اگر حضرت یعقوب مجھے اس حالت میں دیکھ پائیں، تو سخت لعنت ملاست کریں۔ اسی خیال خوف نے اس قدر زور پکڑا کہ انہوں نے فی الواقع اپنے سینہ پر ضرب محسوس کی۔

حضرت مریم کے دل میں بھی اور یہودی عورتوں کی طرح یہ آرزو تھی کہ مسیح موعود میرا ہی بیٹا ہو، اور وہ خدا کے نزدیک ایسا ہونا ناممکن نہ سمجھتے تھے اس لئے فرشتہ کی نظر آنا، اور اس قسم کی باتوں کا کرنا کچھ بعید نہیں۔ یہ بھی ایک معمولی بات ہے کہ انسان جب اپنے ساتھیوں کو اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتا دیکھتا ہے تو اس کے دل میں بھی حوصلہ و تقویت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت مریم نے ذکر باکی بیوی کے حل کی خبر بدشتر سے سنی ہوگی جو ان کو اُسوقت جواب میں سنائی دے۔ پس مولوی صاحب کا اعتراض اُسوقت بجا ہو سکتا تھا، جب ہم یہ کہتے کہ حقیقتاً کوئی فرشتہ مریم کے پاس آیا تھا لیکن جب قرآن مجید خود فرشتہ کا وجود تمثیلی بتا رہا ہے، تب یہ اعتراض کس طرح وارد ہو سکتا ہے؟ ہم مریم صدیقہ کو باوجود انکی عصمت و عفت کے اُس زمانہ کے خیالات وادہم سے مستثنیٰ نہیں کر سکتے۔ جن لوگوں میں وہ پیدا ہوئیں ہیں جنہیں انہوں نے پرورش پائی، وہ سب اس کے مؤید ہیں کہ ایسے خیالات مریم سے بعید نہ تھے۔ یہ علیحدہ بحث ہے کہ فرشتہ کا آنا حقیقتاً ہوا یا نہ، لیکن اگر ہم کہیں کہ اُسکا وجود تمثیلی تھا جیسا کہ قرآن مجید سے ظاہر ہے تو پھر ان باتوں پر جو اُس خیالی فرشتہ سے ہوئیں، علیحدہ اعتراض کرنا بالکل بیجا ہے۔

افسوس کہ مولوی صاحب نے اس بے بنیاد اعتراض کے خیال سے تمام ان آیات کے

جنہیں بصراحت تمام مسیح کو یوسف کا بیٹا لکھا ہے، تاویل کرنی پسند کی۔ ہم حیران ہیں کہ اور کون سے الفاظ تھے جسکے لکھنے سے یہ معلوم ہوتا کہ بیٹے سے مراد حقیقی بیٹا ہے اور مجازی نہیں۔ ہماری رائے میں ایسے صریح آیات کی تاویل کسی طور سے جائز قرار نہیں پاسکتی۔ نہ یہ خیال ہو سکتا ہے کہ پیشگوئی میں ایسا مبہم لفظ استعمال کیا جاتا، جسے پیشگوئی، ہی بالکل مشتبہ ہو جائے۔ گو غنا مجازی بیٹے کو بھی بیٹا کہا جاتا ہے، لیکن پیشگوئی میں ایسا لفظ استعمال کرنا جسے پیشگوئی کا بالکل زور جاتا رہے قرین قیاس نہیں ہے۔ پس مسیح کا داؤد کی نسل ہونا ضروری ہے، اور یہ پیشگوئی اُن کی یوسف کے تخم سے نہیں پائے ثبوت کو پہنچے۔ یہاں یہ بھی بخوبی معلوم ہو گیا کہ مولوی صاحب کے دیلوں کی بنیاد اس بحث میں تاہیلوں اور مجازے معنویہ ہے، اور سید صاحب کی تحریر الفاظ کے حقیقی معنوں پر۔

دوسرے سوویل اس بات کے ثبوت میں کہ مسیح یوسف کے تخم سے تھا، سید صاحب نے یہ بیان کی ہے کہ ابتدا میں مسیح کے بغیر باپ پیدا ہونیکا کسی کو بھی خیال نہ تھا، حتیٰ کہ حواریوں کو بھی اسکی اطلاع نہ تھی، اور بحوالہ درہی رچاژ دوا سن لکھا ہے کہ ”یہ عام یقین تھا کہ حضرت عیسیٰ یوسف کے بیٹے ہیں، اور اُن کا معجزہ کے طور سے پیدا ہونا مشہور نہیں کیا گیا تھا، بلکہ یوسف اور مریم کے دلوں ہی میں مخفی تھا۔ اگر یہ بات مشہور ہو جاتی تو لوگ اکثر حضرت مریم کو تنگ کیا کرتے۔ لوقا کے اس فقرہ سے کہ وہ یوسف کا بیٹا خیال کیا جاتا تھا، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعد روح مسیح یہ امر معلوم ہوا، اور بغیر کسی شبہ کے مان لیا گیا، اسی وجہ سے یہ بات متی اور لوقا نے انجیل میں داخل کی ہے۔“

پادری صاحب کی یہ تقریر نہایت ہی درست ہے۔ کیونکہ جن مقامات میں مسیح کو یوسف کا بیٹا کہا گیا ہے، اُنکا اور کچھ مطلب نہیں ہو سکتا۔ بجز اس کے کہ سب لوگ موعود ہی ہی خیال کرتے تھے کہ مسیح بطور معمول پیدا ہوا ہے۔

مولوی صاحب نے سید صاحب کی تقریر پر نہایت تہذیب و خوش خلقی سے یہ زیب رقم فرمایا کہ کہنا کہ مسیح کا بغیر باپ کے بلپ گئے پیدا ہونا حواریوں نے بھی نہیں جانا تھا خصوصاً خلاف واقعہ اور بدلی سے کی جدات ہے۔ جو حال پیدائش مسیح کا انجیل لوگ و صحتی سے بیان ہوا ہے یہ متی حواری کا بیان ہے پر یہ کہنا کہ حواریوں نے اُسکو نہیں جانا کیا معنی رکھتا ہے، ”معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب سید صاحب کا مطلب بالکل نہیں سمجھے۔ سید صاحب کا مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ ابتدا میں سب ہی خیال کرتے تھے کہ مسیح یوسف کا بیٹا ہے جیسا کہ تو تہا کی انجیل میں ہے کہ یوسف کا بیٹا خیال کیا جاتا تھا“ اور یہ بات یوسف و مریم کے دلوں میں مخفی تھی؛ مگر واقعہ عروج کے بعد یہ بات (یہ معلوم اسکی اصل اور منشا غلطی کیا تھا) مشہور ہوئی کہ حضرت مسیح خلاف عادت پیدا ہوئے تھے، یہ بات حواریوں نے تسلیم کی اور انجیل میں اُسکو بیان کر دیا۔ اب اس میں خلاف واقعہ بات کون سی ہوئی، اگر مولوی صاحب کسی آیت سے یہ ثابت کر دکھاتے کہ واقعہ صلیب سے پہلی ہی لوگ اور حواری انگوبے باپ پیدا ہوا مانتے تھے تو اُنکا معارضہ ٹھیک ہوتا، لیکن مولوی صاحب نے کوئی ثبوت ایسا نہیں دیا جسے معلوم ہو کہ قبل از واقعہ عروج مسیح کی پیدائش بطور اعجاز سمجھی جاتی تھی۔ پس مولوی صاحب کا اعتراض سراسر فضول ہے، اور مسیح کا بغیر باپ پیدا ہونا زمانہ تفسیل تک معلوم نہیں ہوا۔ مسیح کی الدین

اسکو اپنا بیٹا کہتے تھے، اور لوگ بھی اسے نام سے پکارتے تھے چنانچہ وہ مواقع جسے
ہم نے استشہاد کیا ہے پیچھے بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت مسیح جو خدا کا بیٹا کہلائے اُسکی وجہ سید صاحب نے یہ بیان کی ہے :-
یونانیوں میں ایک عام خیال تھا کہ نہایت مقدس اور بزرگ شخص کو خدا کا
بیٹا کہتے تھے، ہرکولیس، رامبولس، فیثاغورث، ان سب کو یونانی خدا کا بیٹا
کہتے تھے۔ جب حواریوں کو یونانی زبان کے ذریعہ سے دین عیسوی پسینا نہ نظر
ہوا تو حضرت عیسیٰ کو ایسے بزرگ لقب سے ملقب کرنا پڑا ہوگا، جو یونانیوں کے
خیالات سے مناسب تھا۔ پر بھی انہیں انجیلوں میں یوسف کو حضرت مریم کا شوهر
اور حضرت مسیح کا باپ تسلیم کیا ہے :-

اس تقریر پر مولوی صاحب نے نہ صرف معمولی نکتہ چینی کی ہے بلکہ تاریخ دانی، اور تاریخ
دانی کیا، ہمہ دانی کا دعویٰ کیا ہے چنانچہ کہتے ہیں :-

اُن کا یہ دعویٰ کہ مقدس اور بزرگ لوگوں کو خدا کا بیٹا کہنا صلیف یونانیوں میں
مروج تھا انہیں کی تقلید سے حواریوں نے مسیح کو خدا کا بیٹا کہا ایسا غلط و بے بنیاد خیال
ہے جس پر ہوائے دلائل متخلیہ جناب کوئی دلیل نہیں ہے۔ جناب من مقدس اور
بزرگ لوگوں کو خدا کا بیٹا یعنی محبوب محمد عتیق میں بہت جگہ کیا گیا ہے تعجب ہے
کہ آپ کو کہیں نطفہ نہیں آیا۔ ہریر میا ۲۔ زبور۔ خروج۔ پیل ایٹش وغیرہ
کتابوں سے استشہاد کیا ہے۔

سید صاحب نے کہیں اس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ بزرگ لوگوں کو خدا کا بیٹا کہنا

صرف یونانیوں ہی میں مروج تھا، مگر مولوی صاحب نے جیسا کہ اُن کے تحریر سے ظاہر ہے، سید صاحب پر یہ اتنا مباحثہ لگایا ہے۔ سبناظرین تفسیر کا ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ کھاس سید صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے؟ باہیں ہمہ افترا پر دازی ہم مولوی صاحب کو جھوٹا یا کذاب یا مفتری کہنا نہیں چاہتے۔

یونانی بھی مقدس لوگوں کو جو خدا کا بیٹا کہتے تھے، تو بیٹا یعنی مجازاً ہی یعنی تیار یا اور عزیز استعمال کرتے تھے۔ پس سید صاحب کا صرف اس قدر مطلب ہے کہ حضرت مسیح کو ہی خدا کا بیٹا نہیں کہا گیا، بلکہ اوپر بہت سے لوگوں کو بھی کہا گیا ہے، خواہ وہ لوگ عرب کے ہوں، خواہ عجم کے، ہندوستان کے ہوں، یا یونان کے، عہد عتیق میں لکھا ہو، یا ہومر کی تصانیف میں، پس اگر مولوی صاحب نے چند مقامات عہد عتیق پیش کر دکھائے، جن سے مشن اسکولوں کے بچے بھی واقف ہیں، تو کونسی اُن کی ہمہ دانی ثابت ہو گئی؟ علاوہ اس کے جب انجیلیں یونانی زبان میں لکھی گئیں، تو ظاہر ہے کہ انجیل کے لکھنے والوں نے وہی طریقہ اظہار خیالات کا اختیار کیا ہوگا، جو یونانیوں کے مناسب تھا۔ پس یہ بات کہ یونانیوں کی تقلید سے مسیح کو خدا بیٹا کہا گیا، بد نسبت اس کے کہ عہد عتیق کے محاورہ کی پابندی کی گئی، زیادہ تر قرین قیاس ہے۔ کوئی ثبوت اس امر کا بھی نہیں ہے کہ حواری بالضرور عہد عتیق کے محاورہ کے پابند تھے، پھر جب یہ جہاں کیا جاوے کہ محاورہ عہد عتیق اور یونانی محاورہ کے اصل ایک ہی ہے، تو اس بات کا بھی محاذ کریں کہ انجیل کا ترجمہ یونانی زبان میں کرتا تھا۔ تو ہر ایک طرح سے اس بات کے یقین کرنے کی قوی وجہ ہے کہ یونانیوں کے

طریقہ اظہار خیالات کے ہے رعایت نسب و اولیٰ تھی۔

بڑا ضروری اور غور طلب حصہ بحث ولادت مسیح کا وہ ہی ہے جس میں
مریم صدیقہ کی نسبت و نکاح سے بحث ہے۔ سید صاحب نے حضرت مریم
کی نسبت و نکاح کے باب میں، اور جن رسوم اور جن اصول پر وہ نسبت یا
نکاح بنی تھے، مفصلہ ذیل تقریر تفسیر القرآن میں تحریر فرمائی ہے۔

اُس بات کو حواری حضرت عیسیٰ کے اور تمام عیسائی تسلیم کرتے ہیں
کہ حضرت مریم کا خطبہ یوسف سے ہوا تھا۔ یہودیوں کے ہاں خطبہ کا یہ دستور
تھا جیسا کہ کیٹو سائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ شوہر زوجہ میں اقرا رہ جاتا
تھا کہ اس قدر میعاد کے بعد شادی کرینگے۔ یہ اقرا گواہوں کی موجودگی میں
ہوتا تھا، جس طرح کہ ہم مسلمانوں میں نکاح خط لکھا جاتا ہے۔ یہ سچا ہے
حقیقت میں عقد نکاح تھے۔ صرف زوجہ کا گھر میں لانا باقی رہ جاتا تھا
جو میعاد منقرہ پر ہوتا تھا۔ جیسے کہ مسلمانوں میں شرعی نکاح کے بعد زوجہ
نے الفور گھر میں نہیں لائی جاتی۔ یہودیوں کے ہاں اس رسم کی ادائیگی
بعد مرد اور عورت باہم شوہر اور زوجہ ہو جاتے تھے، اور کوئی ایسی رسم
جس پر حوازیہ منجم ہو، عمل میں نہیں آتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر بعد اس رسم
اور قبل رخصت کرنے کے، اُن دو نو سے اولاد پیدا ہو، تو وہ اولاد جائز
تصور ہوتی تھی۔“

یہ تمام تقریر سید صاحب کی نہایت صحیح اور معقول ہے جس کا بہت سا حصہ
تاریخی واقعات ہیں جو سائیکلو پیڈیا سے نقل ہوئے، اور کچھ ویتاچ

ہیں جو ان مقدمات سے نکلتے ہیں، جو کتاب مذکورہ میں بیان کئے ہیں، اور
جسکو مولوی صاحب نے حاشیہ سے تعبیر کیا ہے۔ مولوی صاحب نے سید صاحب کی
تقریر پر بہت طول طویل بحث کی ہے، بہت سے بہتان اور طوفان کذب
و مغالطہ کے باندھے ہیں، اور اپنے کل ایساٹ کا ماحصل خود اسطرح بیان
کیا ہے کہ ”سائیکلو پیڈیا میں منگنی کو نکاح نہیں کہا اور نہ بعد منگنی کے بہتان
کا جواز بتایا ہے اور نہ یوسف کا مریم سے ہمبستر ہونا بیان کیا ہے بلکہ

بلا کو تاہ فہمی سے ممکن ہے کہ ایک ہی مقدمات سے مختلف، متضاد بلکہ متناقض نتیجے
نکلے جائیں۔ پس اگر مولوی صاحب نتائج صحیحہ کو حاشیہ قرار دیں تو کچھ تعجب کی
بات نہیں۔ غضب تو یہ ہے کہ واقعات سے بھی انکار کرتے ہیں۔ مثلاً منگنی
کے دستور میں سید صاحب نے لکھا ہے کہ یہ اقرار یا تو ایک باقاعدہ تحریر یا معاہدہ
کے ذریعہ سے گواہوں کی موجودگی میں ہونا تھا جس طرح کہ ہم مسلمانوں کے ہاں نکاح
خط لکھا جاتا ہے یا بغیر تحریر کے اسطرح پر ہونا تھا کہ مرد عورت کو گواہوں کے
سامنے ایک گواہ چاندی کا دیتا تھا اور یہ لفظ کہتا تھا کہ یہ چاندی کا ٹکڑا اس
امر کے کفالت میں قبول کر کہ اتنے دنوں بعد تو میری زوجہ ہو جاوے گی۔

مولوی صاحب نے اس تمام بیان کو حاشیہ کہا ہے۔ اسکا سبب صرف
یہی ہے کہ بیچارہ مولانا نہ انگریزی جانتے ہیں، نہ تاریخ سے طبیعت و واقفیت
حاصل ہے۔ جسکو حاشیہ کہا گیا ہے وہ نہایت بسط و تفصیل سے کتاب لائیف
اینڈ ورڈس آف کریسٹ میں بذیل حالات یہود موجود ہے۔ مولانا صاحب
پر غور فرمادیں تو معلوم ہوگا کہ یہ حاشیہ نہیں، متن ہے۔

ان سب باتوں کا خلاصہ ہے۔ آپ کے حواشی سے آپکا مطالب نکلتا ہے
صد اقت و حقا نیت کا شائبہ بھی نہیں۔

چونکہ یہودی مذہب کی بنیاد اور ان کے قوانین کی بنا تو ریت پر ہے اس لئے
اور نیز اس خیال سے کہ محمدؐ نابہ منگنی میں یہ بصراحت کہا جاتا تھا کہ میں مطابق
شرع موسیٰ اور بنی اسرائیل کے ارکان کو بذریعہ نکاح اور منگنی کے قبول
کرنیکا محمدؐ کرنا چوں (دیکھو مضمون معاہدہ منگنی اہل یوہو جو سولہ احادیث میں نقل کیا ہے)
یہ دیکھنا ضرور ہے کہ نابہ موسیٰ میں منگنی اور نکاح کا کیا دستور تھا۔ کیونکہ
سنائیٹکلوپڈیا میں ذیل لفظ میں (شادی) یودیوں کے طریقہ نسبت
نکاح کا قبل از زمانہ موسیٰ یوں ذکر کیا ہے کہ جب لڑکی کو پسند کر چکے تھے

سائیکلو پیڈیا کی عبارت نقل کر کے لکھتے ہیں:-

(۱) اس عبارت میں منگنی کو صرف وعدہ نکاح کہا ہے اور اسکا عنوان یہ بتایا ہے کہ اتنی مدت
بعد تو میری زوجہ ہوگی۔ نہ یہ کہ اب ہی ہوگی۔ ہوگی اور ہوگئی میں میرے فرق ہے۔

(۲) منگنی کے بعد رویت زوجہ کی جواز کا بیان ہے۔ نہ جواز مباشرت کا۔

اسے چونکہ مولوی صاحب کی تمام نکتہ چینی کی بنیاد منگنی اور نکاح یہودی میں بتایا ثابت ہونے پر
ہے اور معاہدہ منگنی میں منگنی کو منگنی اور نکاح سے تعبیر کیا ہے تو مولوی صاحب نے

ثابت عجیب صورت مخلصی کو نکالی۔ معاہدہ مذکورہ کا جو فقرہ نقل کیا ہے اسکی نسبت یہ

ارشاد فرمایا ہے کہ بذریعہ منگنی کے بالفعل اور بذریعہ نکاح کے آئندہ لیکن تخصیص میں

عبارت میں کہیں موجود نہیں اور نہ ہی ایسی تخصیص کوئی وجہ یا قرینہ ہے۔ البتہ

مولانا کی زیر کی طرح کا ثبوت ایسی ہو سکتا ہے۔

اور لڑکی یا لڑکے کا باپ رضامند ہو جائے تھے اور حق نکاح یا اور کسی قسم کی خدمت ادا کر دی جاتی تھی اور شیرینی وغیرہ تقسیم ہو چکتی تھی تو دو طہا وطن کو اُسکے باپ کے گھر سے فحی الفور اپنے گھر بجا نیکا مجاز تھا اور دو وطن کا اس طور سے بلا کسی مقررہ اسم کے اپنے گھر لے جانا اور مباشرت کرنا ہی نکاح تھا۔

۱۔ شریعت موسوی نے کوئی تبدیلی ان قوانین میں نہیں کی۔ جوہن فیقین ایک دوسرے کو پسند کر چکے تھے اور حق مہر ادا ہو جاتا تھا، یا کوئی خدمت ملتا اور دی جاتی تھی، لڑکی اپنے خاوند کے منسوبہ خیال کی جاتی تھی اور خواص اور سبکی ہو جاتی تھی حقیقت میں از روئے شریعت کسی وہ منکوحہ سمجھی جاتی تھی وہ اپنے خاوند مجوز سے بلا طلاق علیحدہ نہ ہو سکتی تھی اور سب قوانین جو منکوحہ کی متعلق تھے وہیں اُسے متعلق تھے۔

۲۔ شریعت موسوی نے نکاح کی کوئی مذہبی یا رسول پر مقرر نہیں کی۔ وہ معاہدہ جو حق مہر کے ادا کر نیے وقت یا اور خدمت لینے کے وقت کیا جاتا تھا اُس مضبوط رشتہ کے متعلق کر نیے واسطے کافی تھا۔ منسوبہ لڑکی کو منکوحہ بھی کہتے تھے اور شریعت اُسکو منکوحہ سمجھتی تھی۔

۱۔ سائیکلو پیڈیا کے ان حوالوں سے صاف ظاہر ہے کہ موسیٰ نے منگنی اور نکاح میں کسی قسم کا فرق نہیں رکھا، اور نہ کوئی علیحدہ رسوم واسطے

تکمیل نکاح کے مقرر کی تھی، اور بعد منگنی مباشرت جائز ہو جاتی تھی۔ پس یہ تو
 ہنیت یودی شریعت کا اصل اصول ہے، لیکن ایک زمانہ کے گزرنے پر اور
 امت سے رسوم جنگی حقیقت میں شریعت موسوی کی بدعتیں کئے چاہئیں
 یہودیوں میں پھیل گئی تھیں، اور اور قوموں کے ملنے جُلنے سے یہودیوں کے
 بہت سے طریقہ اور عادات بدل گئے تھے، با انہمہ طریقہ منگنی اور نکاح میں
 جیسا کہ سائیکلو پیڈیا سے ظاہر ہوتا ہے چندان فرق نہ آیا تھا۔ زمانہ ہلاطنی
 کے بعد منگنی اور شادی کے درمیان چند ایک ہفتہ توقف کرنا رواج ہو گیا تھا۔
 لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس خیال میں جو حضرت موسیٰ کے وقت سے چلا آتا
 تھا، کہ منگنی اور نکاح جدا شے نہیں، کچھ تبدیلی واقع نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ
 کوئی حکم اس مضمون کا کتاب اقدس میں نہیں پایا جاتا۔ پس منگنی اور نکاح
 حقیقت میں ایک ہی تھے، اور اسید واسطے منگنی سے جواز مباشرت نکلتا تھا
 لگانا بالکل مطابق واقع ہے۔

دستورات ملک کا اُس کے مخالف ہونا، اور منگنی کے بعد مباشرت کرنا یہ حکم
 زجر و تنبیہ کرنا، لیکن حقیقت میں اس فعل کا شرعاً جائز ہونا ویسا ہی ہے جیسا
 کہ ہندوستان میں نکاح بیوگان حال ہے، جو عین شریعت کے مطابق
 ہے لیکن باعث بے آبروئی ہے، اور بعض بلاد کے دستورات کے برخلاف ہے
 پس گو ہمارا یہ خیال نہیں کہ منگنی اور نکاح میں مطلق فرق نہ تھا یا دونوں

لفظ کا ترجمہ کوڑے سے پٹنا کیا گیا ہے اُسکے معنی مطلق زجر و تنبیہ کے بھی ہیں
 اور غالباً وہ ہی معنی یہاں مراد ہیں۔

کے علیحدہ رسوم نہ تھیں، بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ سنگتی کے بعد کوئی ایسی رسم باقی نہ رہتی تھی جیسے حواۃ تنزیل منصوص ہو؛ اور بنیاداً ان کی شریعت میں کوئی امر اس بات کا مانع نہ تھا کہ شوہر زوجہ کو اپنے گھر لیجاوے، اور انکو منکوہ سمجھے۔ اگر کوئی حکم مانع اس امر کا مولوی صاحب تو ریت سے نکال کر ہمکو دکھلا دیں تو ہم ان اوراق کو اپنے ہاتھوں سے چاک کر ڈالیں، اور مولوی صاحب سے معافی مانگیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ کسی حال میں حکم شریعت کے مقابلہ میں ہم رسوم یہود کا اعتبار نہ کریں گے۔

۱۲۔ چونکہ نجات کی بوقت کوئی ضروری رسم عمل میں نہیں آتی تھی، اور سنگتی ہی عین نجات تھی، یہ ہی وجہ ہے کہ مریم کے نجات کا انجیل میں ولادت مسیح کے بعد بھی ذکر نہیں ہوا۔ حالانکہ بطن مریم صدیقہ سے حضرت مسیح کے اور بھائی بہن پیدا ہوئے۔ اس بات کا ثبوت مختلف مقامات انجیل سے ملتا ہے اس بات میں مسیحی مذہب کے محققوں نے غایت درجہ کی داد تحقیق دی ہے اور مختلف حیثیتوں سے اس باب میں گفتگو کی ہے، لیکن اس بات پر قریباً سب کا اتفاق ہے کہ حضرت مسیح کے بھائی بہنوں کا بطن مریم صدیقہ سے پیدا ہونا انجیل سے بصرحت تمام ثابت ہے۔ چنانچہ انجیل کے مقامات مفصلہ ذیل سے ظاہر ہے:-

(۵۵) کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں اور اسکی ماں مریم نہیں کہلاتی اور اس کے بھائی یعقوب۔ اور یوسی اور شمعون اور یہودا (۵۶) اور اسکی سب بہنیں کیا ہمارے ساتھ نہیں ہیں پس یہ اسکو کہاں سے بلا۔ (متی باب ۱۳)۔

(۳۴) اُس کے بھائی اور اُس کی ماں آئی اور باہر کڑی ہوئی اُسے بلوایا (۳۲) اور بیڑ اُس کے پاس آبیسی تھی سو انہوں نے اُسے کہا دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھجے ڈھونڈتے ہیں (۳۳) اور اُس نے انہیں جواب دیا اور کہا کون ہیں میری ماں یا میرے بھائی (۳۴) اور اُن پر جو اُس کے پاس بیٹھے تھے نظر کر کے کہا دیکھو میری ماں اور میرے بھائی (۳۵) کیونکہ جو کوئی خدا کی طرفی پر عمل کرتا ہے وہ میری میرا بھائی اور میری بہن اور ماں ہے۔ (مرقس باب ۳) کہا یہ مریم کا بیٹا تھا ہیں اور یعقوب اور یوسی اور یودا اور سمعون کا بھائی ہیں اور کیا اس کی بہنیں ہمارے پاس نہیں ہیں (مرقس باب ۳ آیت ۳۰) اور اُس نے خبر دی گئی تھی کہ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کڑے تھے دیکھا جاتے ہیں (۳۱) اور اُس نے جواب دیکے اُن کو کہا میری ماں اور میرے بھائی وہ ہیں جو خدا کا کلام سُنتے ہیں اور اُس پر عمل کرتے ہیں (لوقا باب ۱۰) بعد اُس کے وہ اور اُس کی ماں اور اُس کے بھائی اور اُس کے شاگرد کدناحم میں گئے اور وہاں بہت دن رہے (یوحنا باب ۱) آیت ۳۰) اُس کے بھائیوں نے اُس کو کہا ہاں سے روانہ ہو اور یودا میرا (۵) اُس کے بھائی بھی اُس پر ایمان لائے پس یسوع نے انہیں کہا کہ تم اس عید میں جاؤ (۱۰) جب اُس کے بھائی روانہ ہوئے وہ بھی عید میں گئے مگر انہیں بلکہ چپکے لائے غرض کہ انجیل کے بہت مقامات سے یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ حضرت مسیح اور بھائی بہنیں بھی تھیں، اور وہ بطن مریم صدیقہ سے پیدا ہوئی تھیں بعض عیسائی حضرت مریم کے تمام عمر بہرہ رکھ رہنے کے قابل ہیں۔ اُن کو اس قلم پر سخت مشکل پیش آئی ہے، اور گو انہیں ہر چند تاویلین کی ہیں، مگر یہ بات کسی

صراحت سے انجیل میں بیان ہوئی ہے کہ کوئی تاویل نہیں مل سکی۔ انکی تاویلات کی بنیاد صرف دو توجہوں پر ہے۔

(۱) مسیح کے بھائیوں سے مراد اُسکی حقیقی بھائی نہیں ہیں۔

(۲) اولادِ مریم صدیقہ کے بیان میں ضرور غلطی ہوئی ہے، کیونکہ جنگلاتِ مذکورہ بالا میں مریم صدیقہ والدہ حضرت مسیح کی اولاد بیان کیا ہے، انکو ہے متی باب آیت ۱۵ میں مریم کی بہن کی اولاد بیان کیا ہے۔

توجہ اول کا یہ جواب ہے کہ سیاقِ کلام اور قریبہ مقام سے سیطرہ احتمال بھی نہیں ہو سکتا کہ بھائی بہنوں سے مراد مجازی بھائی بہنیں ہوں بلکہ مسیح کا یہ کہنا کہ کون ہیں میری ماں بہن؟ میری ماں بہن وہ ہیں جو خدا کی مرضی پر عمل کرتے ہیں، صاف دلیل اس بات کی ہے کہ پہلے مقام میں ماں بہن سے حقیقی ماں بہن مراد ہیں۔ اگر یہ کہا جاوے کہ سب نبی آدم ایک دوسرے کے بھائی ہیں، تو مسیح کو اسی اُخوت سے کوئی وجہ انکار کی نہ تھی، اور اگر بھائی بہنوں سے مراد ایمانداروں سے ہے، تو اُن لوگوں کو ایماندار کون کہہ سکتا تھا جو مسیح پر ایمان نہ لائے تھے؟ علاوہ اسکے متی باب آیت ۱۵ میں لوگوں کا کہنا کہ کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں، اور کیا اُس کے مان مریم نہیں کہلاتے، اور اُسکے بھائی یعقوب اور یوسی اور شمعون اور یہودا، صاف بتلاتا ہے کہ الفاظ بیٹا، ماں، بھائی سے اُن کے حقیقی معنی مراد ہیں، اس آیت میں اور اور آیات میں بالخصوص مسیح کے بھائیوں کے نام بیان کرنے سے بھی ان الفاظ کا حقیقی معنی نہیں

مستعمل ہونا ثابت ہوتا ہے ۔

توجیہ دوم کا یہ جواب ہے کہ ان ناموں کے بیان کرنے میں ضرور انجیل کے لکھنے والوں سے تسامح ہوا ہے ، اور اس تسامح کی وجہ یہ ہے کہ مریم والدہ حضرت مسیح کی ایک اور بھین تھی ، اور اُس کا نام ہی مریم تھا اور اُس کی شادی کلیافس سے ہوئی تھی جیسا کہ پوچھنا باب ۱ آیت ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے ۔ ان دونوں بھینوں کے ہمنام ہونے کے سبب سے ، ایک کی اولاد غلطی سے دوسرے کی طرف منسوب کر دی گئی ہے ۔ اعلان اس کے مسیح کے حقیقی بھائی ہیں ، مسیح سے خوش نہ تھے ، اور اُس پر ایمان نہ لائے تھے ، لیکن مریم و کلیافس کے بیٹے ہر وقت مسیح کے ساتھ رہتے تھے ۔ اس سبب سے انجیل کے لکھنے والوں کو اشتباہ پڑ گیا اور نسبتیں بدل جانے ، جو ایک فراموشی محقق ہیں ، اس مشکل کو اس طرح حل کیا ہے :- یہ چار آدمی جو کہ انجیل میں باب ۱ آیت ۱۸ میں اور مرقس باب ۱ آیت ۱ میں بیان ہوئے ہیں ، پھر دوسرے مقام میں مریم اور کلیافس کی بیٹی شمار ہوئی ہیں یہ مشکل اس بات کے سمجھنے سے رفع ہوتی ہے کہ ان دو ہمنام بہنوں (مریم) کے تین تین چار چار لڑکے ایک ہی نام کے تھے ۔ مسیح کے حقیقی بھائی پہلے اُسے عداوت رکھتے تھے ۔ جب انجیل کے لکھنے والوں نے کلیافس کے لڑکوں کو ہر وقت مسیح کے ساتھ دیکھا اور اُن کا بھائی کہلاتے سنا تو غلطی سے بعض مقامات میں حقیقی بھائیوں کے نام کی جگہ اُن کا نام لکھ دیا ۔ حضرت مسیح کے حقیقی بھائی اپنی والدہ کی طرح اُن کی وفات کے بعد مشہور ہوئے ، لیکن

پھر بھی اُنکو اس قدر شہرت حاصل نہ ہوئی جیسی کہ اُن کے خالہ زاد بھائیوں کو
 ہوئی تھی۔ حضرت مسیح کی بہنیں ناموں میں بیا ہی گئیں تھیں، اور حضرت
 مسیح نے اپنی ابتدائے جوانی کے دن وہاں ہی بسر کئے۔
 (از سوانح عسری مسیح مصنفہ ارشٹ نرین، مطبوعہ لندن صفحہ ۴۹)

خوشنکہ اگر حضرت مسیح کے بھائیوں کے ناموں کے بیان کرنے میں، جو غلطی ہوئی
 ہے اُس پر متحققان مذہب عیسوی نے بہت کچھ نکتہ چینیوں کی ہوں، مگر اتنی
 بات سب نے مانی ہے کہ مسیح کے حقیقی بھائی اور بہنیں مریم صدیقہ کے لطن
 سے تھیں۔ چنانچہ سائیکلو پیڈیا برطانی کا اسی مصنف نے بھی وہی
 فیصلہ کیا ہے جو پہلے بیان کیا۔ وہ مصنف اپنی مشہور سائیکلو پیڈیا کی جلد
 چھار دھم میں بذیل لفظ مریم لکھتا ہے کہ انجیل سے بہ طور ثابت ہے کہ
 مسیح کے حقیقی بھائی بہنیں لطن مریم صدیقہ سے تھیں۔

اور اسی بات کو ماننے میں بجز اُن لوگوں کے جو مریم صدیقہ کے بکارت دائمی
 کے قائل ہیں، کسی کو کچھ مشکل معلوم نہیں ہوتی۔ پھر مصنف مذکور لکھتا
 ہے کہ اگر سب اعتراضات کو تسلیم بھی کر لیا جاوے تو بھی انتہی باب
 ۲۲-۲۳ لاکھیا جواب ہو گا جہاں لکھا ہے کہ یوسف اپنی جوہر کو اپنے پاس
 لے آیا اور اُس کو نہ جانا جب تک وہ اپنا پہلو ٹا بیٹا نہ جتنی۔ اسی طرح انجیل
 لوقا باب ۲۴ میں لکھا کہ اُسکے جتنے کے دن پورے ہوئے اور وہ اپنا
 پہلو ٹا بیٹا جتنی۔ پس اگر حواریوں کو یہ یقین نہ ہوتا کہ مسیح کے اوزر چھوٹے

بھی اذیت مندین حب اور ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے۔ غرض کہ ہر طرح مسیح کے بھائی بہنوں کا بطن مریم صدیقہ سے پیدا ہونا، انجیل سے ثابت ہے، اور عموماً شیب مسیح اور پادری اس زمانہ کے اُسکو تسلیم کرتے ہیں۔

اب ہمارا سوال یہ ہے، کہ باوجود اسکے کہ مریم صدیقہ سے اسقدر اولاد پیدا ہوئی اور وہ سب اُنکی اولاد جائز تصور ہوتی ہے، اور نیز کوئی ماں میں سے بطور معجزہ مولود نہیں مانا جاتا، تو کیا وجہ ہے کہ مسیح کی ولادت کو بطور اعجاز مانا جاوے؟ اور اگر حضرت مسیح قبل از نکاح مریم صدیقہ پیدا ہوئی تھی، تو کیوں تشریح اس بات کی نہیں ہوئی، کہ اتنی مدت بعد از ولادت مسیح نکاح ہوا، اور باقی اولاد بعد از نکاح ہوئی؟ اسکا کوئی جواب بجز اسکے نہیں کہ منگنی حقیقت میں نکاح ہے کے برابر ہے، اور بعد منگنی کوئی ایسا امر باقی نہ رہتا تھا جس پر جواز تزویج منحصر ہو، اسی واسطے انجیل میں کہیں مریم کے نکاح کا بعد ولادت حضرت مسیح ذکر نہیں ہوا۔ پس یا تو اب یہ یقین کرنا چاہئے کہ یہ سب اولاد بطور اعجاز یا اظہار کمال قدرت جل شانہ محض خدا تعالیٰ کے حکم سے، بلا باپ بطور مسیح پیدا ہوئے تھے، یا اگر یہ اولاد بطور معمول پیدا ہوئے تھے، تو حضرت مسیح بھی، جو اُن کی طبع ہی پیدا ہوئے تھے بطور اعجاز مولود نہ ہوئے تھے۔ حقیقت میں حضرت مسیح کے اور بھائی بہنوں کا ہونا بہت ہی کم مسلمانوں کو معلوم ہے، اور یہی باعث ہے کہ بعض آدمی اتنی بات بھی سننا مگرا نہیں کر سکتے، کہ یوسف بخار مریم صدیقہ کا شوہر تھا۔ اس تعجب کی صرف یہی وجہ ہے کہ اُن کو کتاب مقدس و توراہ سے آگاہی نہیں، اور کتب اہم و انہیا سابقہ کو منسوخ ماننے سے اُسکے مطالعہ کو یہاں تک معصیت جانتے

ہیں، کہ اُن قصص سے بھی آگاہی حاصل نہیں کرتے، جو قرآن مجید میں بالاجل بیان ہوئی ہیں، اور جنکی تفصیل میں ہمارے تفسیروں میں بجائے حقیقت واقعی بیان کر نیکے، جھوٹے عجائب و غرائب بیان کئے ہیں۔

(۳) ایک اور ثبوت اس بات کا، کہ منگنی اور نکاح حقیقت میں ایک ہے، انجیل کی یہ آیت ہے کہ مریم کی یوسف کے ساتھ منگنی ہوئی تھی، اُن کے اکٹھے آنے سے پیشتر وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی متنی باب ۱ آ ۱۹

اب اگر اس آیت میں منگنی سے مراد محض منگنی ہے (جس کا کہ ہمارے ملک میں رواج ہے اور جو نکاح سے جدا ہے) اور مباشرت قبل از نکاح جائز نہ تھی، تو اس حالت میں دفع خیال بہستری کے کیا معنی؟ کیونکہ منگنی نہ ہو جائیکے بعد تو مولود یحییٰ کے نزدیک بھی مباشرت جائز نہ ہو جاتی تھی۔ اس صورت میں متی کو یہ کہنا مناسب تھا کہ مریم کی یوسف سے منگنی ہوئی تھی، مگر نکاح سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی۔

اگر منسوبہ سے مراد منکوحہ ہے، تو فوالمراد، یہی ہمارا عین مدعا ہے۔ اگر شریعت موسوی کے کچھ بھی تعظیم کیجاوے، اور اُس کو یہود کی رسم و رواج سے عالی تر سمجھا جاوے، تو کچھ بھی شک اس بات میں نہیں رہتا، کہ منگنی اور نکاح میں کچھ فرق حقیقی نہ تھا۔ مشکل یہ ہے کہ منگنی کے لفظ سے، لوگوں کے دلوں میں اپنے ملک کے سی منگنی کا خیال فوراً آجاتا ہے۔ لیکن جب معلوم ہو کہ اُس زمانہ میں منگنی کا کیا طریقہ تھا، تو سب شک رفع ہو جاتے ہیں۔ اس بات کو بھی دیکھنا چاہئے کہ حقیقت میں نکاح کیا ہوتا ہے، اور وہ

کب متحقق ہوتا ہے، اور وہ کیا بات ہوتی ہے، جو نکاح سے پہلے نہیں ہوتی، اور نکاح کے بعد آجاتی ہے، جسے مباشرت جائز چلاتی ہے؟ وہ بات صرف ایک ہے، یعنی مرد اور عورت کا برضا مندی طرفین ایک دوسرے کو اپنے لئے خاص کر لینا، اور اُس تعلق کے قائم رکھنے کا ایک مضبوط عہد کرنا۔ پس یہودیوں کی منگنی عین نکاح تھا جنہیں ایجاب و قبول دو لہجے کے پسند کرنے کے وقت ہی ہو جاتی تھی، اور نیز وہ عورت بعد از طلاق کے خاوند سے جدا نہیں ہو سکتی تھی (دیکھو کیٹوز سائیکلو پیڈیا)۔

ہمارے ملک کی منگنی اس قسم کی منگنی نہیں ہوتی ہے۔ لیکن اگر ہم اپنے ملک کی منگنی کو کسی ایسے طریقہ میں بدل دیں جس میں ایجاب و قبول اور اُس کی حفاظت و قیام کا مضبوط عہد ہو جاوے، اور عورت کا بلا طلاق جدا ہونا ناجائز قرار پاوے تو ظاہر ہے کہ وہ طریقہ نکاح ہی بن جاویگا، گو اُس کا نام نسبت ہی رہے۔

(۱) اگر بطریق تترل مان بھی لیا جاوے کہ منگنی اور نکاح دو جدا شے ہیں اور اُن میں نوعی تباہی نہ تھا، تب بھی اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ منجملہ اُن طرق کے، جن سے منگنی کا تحقق ہوتا تھا، انکی شریعت بنا میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ شوہر اور زوجہ باہم مباشرت کریں، چنانچہ کیٹو صاحب کے سائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ منگنی کی شرعاً جائز ہونیکے لئے ضرور تھا کہ طرق ثلاثہ میں سے ایک پر عمل کیا جاوے (۱) مال یا مالی چیز حق منگنی لڑکی یا (اگر وہ نابالغ ہو) اُسکے باپ کو دیا جاتا (۲) خط یا معاہدہ

تخریری لڑکی یا اُس کے باپ کو مردوتیا (۳) مباشرت جبکہ مرد اور عورت دو گواہوں کے سامنے نسبت کا کلمہ کھٹکے خلوت میں چلا جاتا تھا۔ مگر یہ معیوب گنا جاتا تھا اور مرد کو زہر و تینہ کیجاتی تھی۔ اس عبارت سائیکلو پیڈیا پر فصاحت ثابت ہے کہ مباشرت، نسبت کے شرعی ہونیکے لئے شرط تھی، یعنی اسکے بغیر منگنی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ گو بعد از آن تانحاج باہم شوہر و زہر کا ملنا ممکن نہو۔ مولوی صاحب نے عبارت سائیکلو پیڈیا مذکورہ بالا کے معنی اختراع کرنے میں بہت علمیت صرف کی، اور نیز سے طبع دکھلائی ہے، مگر افسوس کہ وہ درست نہیں۔ مولوی صاحب کی تقریر بعینہ بیچ ذیل ہے۔

ان طرق کے عمل میں لانے سے ہر وہ شرعاً اسکی منسوب ہو جاتی ہے اور وہ منگنی شرعی ہو جاتے پر منجملہ ان طرق کے طریق سوم کو بیحیائی قرار دینا اور اُس کے ارتکاب پر تغیر گنا صاف بتاتا ہے کہ یہ امر ان کی شریعت میں ناجائز تھا اگرچہ اُسے منگنی کا ثبوت ہو جاتا۔ اسکی نظیر اسلامی احکام میں یہ ہے کہ اگر کوئی کسی قسمتی چیز بلا اجازت چوری یا غصب سے تصرف میں لاوے تو اگرچہ یہ فعل اسکا شرعاً ناجائز ہے مگر اس فعل سے عوض و تاوان دلائیک حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ مولوی صاحب نے اس تمام عبارت میں مخالفت سے کام لیا ہے، اور ان کی دلیل میں صداقت و حقانیت کی بونہیں۔ اس نظیر کو امر متنازع فیہ سے

حاشیہ شرعی منگنی کے معنی ہماری داشت میں نکاح ہی کے ہیں کیونکہ شہرح میں منگنی کچھ شے نہیں خطبہ صرف درخواست کر کے کہتے ہیں اور شہرح میں اسکے لئے کوئی رسم نہیں ہوئی ہر منگنی شرعی ہونے کا حد نکاح کو نہیں مراد ہے۔

کچھ بھی مشابہت یا مناسبت نہیں ہے، اور ہم اسکا دو طرح جواب دیتے ہیں۔

۱۔ غصب، سرقت، زنا وغیرہ سے حکم شرعی، حد جاری کرینکا ثابت ہو جاتا ہے یا نہیں، ہماری بحث اس سے نہیں ہے۔ امر متنازع فیہ تو یہ ہے کہ آیا افعال ناجائز شرع کے لئے سے مامور بھی ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر آپ اسلامی احکام میں سے کوئی ایسا حکم نکال کر بتلا دیں جس میں غصب، چوری وغیرہ مامور اور کسی فعل کی شرعی ہونکی شرط قرار دئے گئے ہوں، تو ہم بیشک اقرار کریں گے کہ منگنی کے ثبوت کے لئے جو مباشرت شرط قرار دی گئی ہے، اسکا بھی یہی حال ہے۔ مگر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو امور منہی عنہم ہوں وہ کس طرح مامور بھی ہو سکتی ہیں؟

مولوی صاحب کا باوجود استقدر دعویٰ صلیت کے اس بڑی بھاری غلطی کا ترکب ہونا سخت حیرت انگیز ہے۔ اعمولی عقل کا آدمی بھی باسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب منگنی کے متحقق ہونیکے لئے، یہ ایک لازمی اور ضروری امر ہے کہ منسوب سے مباشرت کیجاوے، تو پھر یہ مباشرت باوجود شرعاً مامور بہ ہونیکے کس طرح ناجائز قرار پاسکتی ہے گو بعض آدمیوں کے نزدیک محبوب بھی سمجھی جاوے۔

(۲) اگر مباشرت حالت نسبت میں شریعت یہود میں ناجائز ہوتی،، جیسا کہ مولوی صاحب کا خیال ہے تو وہ زنا متصور ہوتے، اور اسواسطے اسکے لئے شرعی سزا تجویز ہوتی جسکو یہود کی کتب مذہبی سے فدا بھی اقصیت ہوگی وہ جان لیگا کہ شریعت یہود میں حالت نسبت میں زنا کی سزا یہ ہے کہ زان اور زانیہ کو سنگسار کیا جاوے نہ کہ لوگ لعنت ملاست کریں، یا (بقول مولوی صاحب) کوڑے سے

لگاویں۔ اسے بھی ثابت ہو کہ اس قسم کی مباشرت کو معیوب گننا صرف رواج قوم کے باعث تھا، اور جو طعن و ملامت اُسکے مرتکب کو ہوئے تھے وہ سزا شرعی نہ تھی۔

پس قطع نظر ازیں کہ منگنی اور نچاح حقیقت میں ایک تھے یا علیحدہ، اتنی بات تو بہر صورت ثابت ہے کہ منگنی کے وقت کم از کم ایک دفعہ شوہر و زوجہ موت و خلوت کا ملنا تھا، پس اگر انکو تا وقت رسم نچاح، اجازت مباشرت کی نہ بھی ہو، تب بھی یہ بات ہر ایک طرح سے خیال میں آسکتی ہے کہ ہر وقت منگنی مریم صدیقہ یوسف سے حاملہ ہوئیں۔ اس بات کی تائید انجیل متی سے بھی ہوتی ہے، جہاں لکھا ہے کہ ابھی وہ اکٹھی آئی تھیں یعنی ابھی یوسف مریم صدیقہ کو اپنے گھر نہیں لایا تھا کہ وہ حاملہ پائی گئی۔ یہی آیت انجیل کے وہ مقام ہے، جیسر مولوی صاحب نے سپد صاحب کو سخنان ناگفتنی و شنیدنی کہہ کر اپنی عاقبت سنواری ہے، اور الفاظ کے خور و برد و کرینجا الزام اُن پر لگایا ہے، حال اُنکے قبل ہم بستر ہونیکے الفاظ (جنکے خور و برد و کرینجا دعویٰ کیا ہے) کسی انجیل میں نہیں ہیں۔ ہم نے کلکتہ، الہ آباد، لودھیانہ، مرزا پور ولایت کی چھپی ہوئی انجیلیں دیکھیں، مگر اُن میں بجز اکٹھی آنی یا اکٹھی ہو جانا شبہ اکٹھے آنیکے منہ ہماری سمجھ میں وہی ہیں، جو ہم نے بیان کیا لیکن اگر اکٹھا آنا کہتا ہے بستر ہونے سے ہے تب بھی آیت کا یہ مطلب ہو گا کہ ابھی بعد نچاح مباشرت کی نوبت نہ آئی تھی کہ مریم صدیقہ حاملہ پائی گئیں، کیونکہ وہ موقع نسبت پر ہے حاملہ ہو گئی تھیں۔

ہونے سکے اور کچھ نہیں لکھا۔ انجیل کی عبارت کا جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا صرف یہ مطلب ہے کہ یوسف و مریم ابھی تک بطور شوہر و زوجہ یکجا اگر یہ تھے کہ مریم صدیقہ خالہ پائی گئیں۔ اکٹھے آئیے لے یونانی میں دو لفظ ہیں سو ورا القہرین۔ سو کے معنی ہیں اکٹھا، باہم، اور انتھان کے معنی ہیں آنا یا جانا پس معنی آیت کے وہ ہیں جو ہم نے بیان کئے، اگر مولیٰ صاحب نے خود یہ معنی تراشے ہیں، یا کسی نسخہ انجیل میں قبل ہمسبتر کے الفاظ لے، تو یہ کوئی موقع اس بات کے شیخی یا نیکی نہ تھا کہ آئینہ بل صاحب نے بعض الفاظ غور و بردار لے اور کذب مخالف سے کام لیا، جس موقع پر سید صاحب نے اس آیت کا مضمون نقل کیا ہے، وہ ان غرض صرف یہ تھی کہ یوسف نے اول ارادہ اپنی بیوی کو چھوڑ دینے کا کیا تھا، مگر پہرہ خیال دل سے دور کر دیا۔ جن چند الفاظ سے یہ غرض حاصل ہو سکتے تھے وہ انہوں نے بیان کر کے اور اس عبارت پر کاما ز نہیں لگائی کہ اسی بعینہ عبارت انجیل مقصود ہو۔ پھر کسٹو سے اُپر الزام حذف الفاظ لگ سکتا ہے!! حالانکہ وہ الفاظ جو انہوں نے نہیں لکھے وہ اُن کے مدعا کے عین موافق و موید تھے۔

ہمارے ان اسماٹ سے جو یہاں تک لکھے گئے ہیں امور مفصلہ ذیل پایہ ثبوت کو پہنچے۔

(۱) شریعت موسیٰ میں جبکہ مطابق نسبت ہوتی تھی نکاح کے لئے ملاوہ از منگنی کوئی رسم مقرر نہ تھی، اور منگنی میں وہ سب باتیں موجود تھیں جن سے نکاح متحقق ہوتا ہے، پس منگنی اور نکاح میں کچھ فرق نہ تھا۔

(۲) شاید مختلف شہروں کے دستورات کے موافق مشہور روز و چکا ملاقات کرنا میسر

گنہگار ہوں لیکن شریعت میں کوئی ممانعت نہ تھی۔

(۱۳) منگنی تب جائز ہوتی تھی، جب طرق تلاش پر عمل کیا جاتا تھا، منجملہ ان کے ایک یا دو بات تھی کہ مباشرت کریں۔

(۱۴) مریم صدیقہ و عقیقہ بھی ایسے وقت حاملہ ہوئیں، کیونکہ وہ یوسف کے گھر لائے سے پہلے حاملہ تھیں۔

ہماری پہلی تقریروں پر ممکن ہے کہ دو شبہ پیش کئے جائیں، اور اس لئے وہ شبہات، اور متعسفوں کے غلط فہمی بھی بیان کر دی جاوے کہ کتاب مقدس کے مطالب سمجھنے میں کوئی مشکل وقت باقی نہ رہے۔

شبہ اول یسوعا بنی کی کتاب کے باب ہفتم کی مفصلہ ذیل آیات کا کیا مطلب ہے؟

(۱۵) خداوند لحاظ را فرمود کہ از خداوند خداے خود آیتے طلب کن یا از حاضیض یا از اوج ملک۔

(۱۶) و اما ز گفت کہ تیطلم و خداوند را امتحان نمیکنم۔

(۱۷) او گفت بشنویدایے خاندان داود تکلیف انسان نزد شما اولی مرتبہ است ہلکہ ارادہ تکلیف خداے من نیز دارید۔

(۱۸) بنا برآں خداوند خود آیتے بشما میدہد کہ اینک باکرہ استن شدہ پسرے خواهد زیاید و نام و پیرا عا نوئل خواہی خواند۔

شبہ دوم اگر حواری حضرت مسیح کی ولادت کو بطور اعجاز تسلیم نہیں کرتے تھے تو انجیل متی باب ۱۱ کے کیا معنی جہاں لکھا ہے پس یہ سب ہوا تا کہ جو

خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو (۲۲) کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنمگی اور اسکا نام عمانوئیل رکھیں گے۔

مجھے یقین ہے کہ کتاب یسعیاہ کی عبارت مذکورہ بالا کسی طرح ولادت مسیح کی پیشگوئی قرار نہیں پاسکتی، اور نہ کسی طور سے اُن پر صادق آسکتی ہے۔

یسعیاہ نبی کی کتاب ہے، جیسا کہ تواریخ قدیمہ میں بھی مذکور ہے، پایا جاتا ہے کہ فقہ بادشاہ اسرائیل اور مصر میں بادشاہ سیریا نے احاز بادشاہ یہودیہ

پر فوج کشی کی تھی۔ احاز اس خبر کے سننے اور اپنے ملک کی خرابیوں اور ابتروں کے دیکھنے سے نہایت غمزدہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے یسعیاہ نبی کو احاز کی تسلی کی واسطے

بھیجا، اور یسعیاہ نبی نے اُس حالت غم میں اُسکو بہت تسلی، حوصلہ، استقلال کرنے کی نصیحت ہی اور بعض حالات پر نظر کر کے کہا کہ تیرے دشمن تجھ پر گز کا میاب

نہ ہوں گے، اور زیادہ تر ثبوت کے واسطے وہ پیشگوئی بیان کی، جو اوپر بیان ہوئی یہ لڑکا جسکے پیدا ہونے کی نبی نے خبر دی تھی، اُنہیں دنوں میں پیدا ہو گیا تھا۔

ظاہر ہے کہ مسیح کے پیدا ہونے سے احاز کو کیا فائدہ تھا اور وہ موقعہ بشارت ولادت مسیح کا کیا تھا؟

۱۔ یسعیاہ نبی ہی کی کتاب کے باب ہشتم و نہم کو اگر ملاحظہ کیا جاوے تو معلوم ہو جاوے گا کہ وہ لڑکا اُنہیں دنوں میں پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ لکھا ہے کہ وہ

بابۃ نزدیک کر دم کو اور حاملہ شدہ پسیرا زائید (باب ۸ آیت ۱) اور تیز لکھا ہے وہ ہمہ سلاح پہلوانان درہنگا میزد و لبہا سہائے غریق خون معوختہ قلمہ آتش

گردید زیرا کہ برائے باطنیہ زائید شد و فرزندے با بختید شد

کہ حکم برائی بردوش اور اہل بدد... افزائش حکمرانی و سلامت بلکہ انتہاست
بر تخت داود و بر سلطنتش تا آزا با انصاف و نیکو کاری از حال تا با بد آبا د
مقرر و پائدار نماید وغیرہ (باب ۱ ص ۱) پس حضرت مسیح کسبیطح مقصدان
اس بشارت کے نہیں بن سکتے۔

۲۔ علاوہ ازیں حضرت مسیح کا نام عمانوئیل نہیں رکھا گیا، جیسا کہ بشارت میں
منسج ہے اور غپے کوئی اور ایسا نام رکھا گیا جو عمانوئیل کا ہم معنی ہو۔ اس لئے یہ بشارت ولادت مسیح کی نہیں ہے
۳۔ اس پیشگوئی میں جو لفظ عبرانی علی کہ آیا ہے اور جس کے معنی باکرہ کو
گئے ہیں، اُس لفظ کے معنی یہ نہیں ہیں؛ بلکہ عبرانی زبان میں علماء کے
معنی مطلق زن نوجوان و نکو تھیں۔ پروفیسر فوٹنسن صاحب کی بھی
یہی رائے ہے کہ علماء دو لہن یا اُس عورت کو کہتے ہیں جسکی نئی شادی ہوئی ہو
اور اس قول کے ثبوت میں یونانی زبان کا ہومر کا ایک شعر نقل کیا ہے
اور وہ خیال کرتے ہیں کہ آیات مذکورہ بالا میں علماء سے بنی کی نوجوان زوجہ
کے طرف اشارہ ہے۔

علماء مسیحی اس بات سے ناواقف نہیں کہ علماء کے معنی زن نوجوان ہیں،
لیکن وہ عیسائی ہونیکلی حالت میں متی کی تحریر پر بھی شک نہیں کر سکتے،
اور اس واسطے اُنکو اس بشارت اور متی کی انجیل میں مطابقت کرنے کی
مشکل پیش آئی ہے؛ بعض کا یہ خیال ہے کہ چونکہ مسیح مریم باکرہ سے پیدا
ہوئے تھے، اس واسطے زن نوجوان سے بطریق اولیٰ پیدا ہوئے، اور وہ
بشارت جیسی اُنکا بظاہر زن نوجوان سے پیدا ہونا بیان ہوا ہے، اور

بدلائہ بعیدہ بابرہ سے بھی مفہوم ہوتا ہے، نہایت کامل طور سے پوری ہوئی
جسے ہر قسم کا شک و شبہ دفع ہو گیا۔ لیکن یہ سب رائیں اسی غلط خیال پر
بنی ہیں کہ مسیح حقیقت میں بابرہ سے پیدا ہوئے تھے، لیکن اس طور سے
استدلال کرنا اور مسیح کی ولادت کو خلاف عادت اول فرض کر کر پریشیاء
بنی کی بشارت سے مطابقت کی کوشش کرنا بالکل دیانت داری کے
برخلاف ہے، اور کلمات بعد الوقوع سے زیادہ رتبہ نہیں رکھتا۔

(۴) جیسا کہ پہلے اپنے مقدمہ میں بیان کیا ہے، یہ ایک مثال منجملہ اُن مثالوں
کے ہے جن سے انجیل کے لکھنے والوں کی غلطی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ
ہماری پہلی تقریرات سے بخوبی ثابت ہو گیا ہے کہ یسعیاہ بنی کی کتاب کی
عبارت کسب طر حضرت مسیح کی بشارت نہیں بن سکتی۔ مہتی نے بشارات
کے باب میں خصوصاً ذکر کیا ہے، چنانچہ باب آٹ میں لکھا ہے کہ (یوسف مسیح) ناصریہ
نام ایک شہر میں آسا تا کہ جونیوں کی معرفت لکھا گیا تھا کہ وہ ناصریہ لکھا گیا اور جو ہے محالاً کہ
کسی نے عہدیت میں یہ پیشگوئی نہیں کی اور مہتی سے ضرور یہاں سہو ہوا ہے۔

ان سب ناکام کوششوں کے بعد مولوی صاحب نے آخر ایک دعا یہودیوں کی
نقل کی ہے، جس میں اس عبارت سے تمسک کیا ہے کہ ”وہ پاک ہے تو اللہ تبارک
عورتیں جو حرام ہیں۔ حرام کی منگنی والیاں“، اس دعا کے نقل کرنے سے یہ
نیتہ نکالا ہے کہ منسوبہ سے مباشرت حرام تھی، یہاں تک کہ یہودیوں کے اوچھے
روزمرہ میں بھی اسکا ذکر ہے۔ اس دعا سے حقیقت میں سراسر ہمارے
خیال کی تائید ہوتی ہے، لیکن مولوی صاحب نے اس سیدھے سادے

میں کوئی حقیقی فرق نہ تھا اس لئے منسوبہ غیر کو بھی حرام قرار دیا، جسے ہمارے گزشتہ اسحات کے اور تائید ہوتی ہے۔

ہماری بحث ولادت مسیح جو انجیل سے متعلق تھی ختم ہوئی، اور ہم یہ بات بیان کر دینا مناسب جانتے ہیں کہ جو بات حقیقت میں ہوئی ہے وہ سچ ہے خواہ انجیل میں لکھی ہو یا نہ۔ ہم جو انجیل سے بار بار حوالہ دیتے ہیں سو اس خیال سے کہ لوگوں کو جو تقلید کے پابند ہیں، اطمینان تام ہو جاوے، نہ اس نظر سے کہ انجیل کی تائید سے کچھ سچائی زیادہ بڑھ جائیگی، نیچے اور عقل اور تجربہ آباداز بلند کر رہے کہ انسان بغیر باپ کے پیدا نہیں ہو سکتا، اور قرآن مجید حضرت مسیح کو انسان بتا رہے، اور انکو روح القدس سے مویذ کہتا ہے، تو انکے باپ سے پیدا ہونے میں اور مولود جائز ہونے میں شک کرنا فضول ہے۔

دنیا میں انسان دو طرح پھلایا ہوتے ہیں، یا بطور جائز یا بطور ناجائز کوئی تیسری شق موجود نہیں ہے۔ اب جس شق کو تمہارا دین و ایمان، اور حضرت مسیح کی ہنگ وعظمت، اور اسکے اُمّ صدیقہ کی محبت و عصمت، اجازت دے تم انکی طرف منسوب کرو۔ لیکن اگر یہ کوشش کیجاوے کہ پہلی شق سے انکار ہو، اور دوسری شق انکی طرف منسوب نہ کیجاوے، بلکہ کوئی تیسری شق ثابت کیجاوے تو یہ کوشش مفادہ ہے اور قیامت تک ثابت نہو سکیگی فقط

بحث: نقلی از قرآن مجید

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان تمام آیات قرآنی کو جو ولادت مسیح سے متعلق ہیں یہاں نقل کر دیں تاکہ آئندہ اس بحث میں سب مطالب پیش نظر رہیں :-

سراویا عریضہ

(۱۶) واذکری الکتب مریم اذا انتبذت من اہلہا مکانا تفرقا

(۱۷) فاتخذت من دونہم حجابا فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لہا بشرا سويا

(۱۸) قالت انی اعوذ بالرحمن منک ان کننت تقیا

(۱۹) قال انما انارسلو ربک لایہدک غلاا زکيا

(۲۰) قال انی یکون لی ولد اولم یتسنی بشر ولم اک بغیا

(۲۱) قال کذلک قال ربک ہو علی ہاں ولنجدلہ آیتہ للناس ورحمتہ منا کان

اسر مقضیا

(۱۶) اور کتاب میں مریم کا ذکر کہ جب وہ اپنے لوگوں سے ایک شرقی مکان میں علیحدہ ہوئے۔

(۱۷) پر ان سے پردہ کر لیا۔ پس ہم نے اس کی طرف اپنے اپنی روح بھیجی جو اس کو ہو آدمی جیسا کہ ارادہ

(۱۸) بولی کہ مجھ کو تجھے خدا کی پناہ اگر تو خدا سے ڈرتا ہے۔

(۱۹) (صورۃ متشلہ سے) آواز آئی کہ میں تو خدا کی طرف سے مستادہ ہوں کہ تجھے ایک پاک رکھنے کی شایہ دہا۔

(۲۰) مریم بولی کہ کبیر کس طرح ہو گا کہ مجھ کو آدمی نے نہیں چھو ا اور میں بدکار نہیں۔

(۲۱) (صورۃ متشلہ سے) کہا تیرے رب نے فرمایا ہے کہ وہ تجھ پر آسان ہے۔ ہم اس کو آدمیوں کے

لئے نشانی بنا دیں گے اور ہماری طرف سے وہ رحمت ہو گا اور یہ کام مقرر ہو چکا ہے۔

ایات متضمن حمل مریمؑ

(۲۲) فحملته فانتبذت به مکانا قصبیا۔

(۲۳) فاجاء الناض الى جرز النخله قالق یلمتی مت قبل ہذا وکنت نسیانیا۔

(۲۴) فنا و الامن تحتها الاتحزنی قد جعل ربک تحتک سریا۔

(۲۵) و ہزی الیک بجزع النخله تسقط علیک رطباً جنیا۔

(۲۶) فکل واشرب و قوسی عینا فاما ترین من البشر احد افقولی انی نذرت

لرحمن صوما فلن اکلم الیوم نسیا۔

مکالمہ حضرت مسیح و کفار

(۲۷) فانت به قومنا تحملہ قالوا یا مریم لقدینت شیئاً فزیا۔

(۲۸) یا اخت طردن ما کان ابوک امر سوء و ما کانک انک بنیا۔

(۲۹) پر وہ اُسے حاملہ ہوئی پھر اُسکو پیٹ میں لئے ایک دور مقام کو کنارے ہوئی

(۳۰) پر دروز اُسکو ایک کجور کی جڑ میں لایا۔ بولی کاشش میں اسے پہلے

مرچھی ہوتی اور بھدلی بصری ہو گئی ہوتی۔

(۳۱) پس اُسکے نیچے سے آواز دی کہ غمت کھا کہ تیرے رب خیر ہے نیچے ایک چشمہ کر دیا ہے۔

(۳۲) اور اپنی طرف کجور کی جڑ ہلا اُسے پھیر کی کجوریں گریں گی۔

(۳۳) کہنا اور پی اور اُنکے ٹھنڈی رکھ۔ سو کبھی کوئی آدمی دیکھے تو کہیو کہ میں نے رحمن کا ایک

روزہ مانا ہے سو آج کسی آدمی سے بات نہ کرونگی۔

(۳۴) پھر اُسکو اپنے لوگوں کے پاس لائی۔ اوسے باتیں کرتی (آتی) تھی۔ بولی اور ہم تو عجیب بنے لائی۔

(۳۵) اے مارون کی بہن! تیرا باپ بڑا آدمی تھا نہ تیری ماں (احکام شریعت سے) سرکش تھی

(۲۹) فاشارت الیہ قالوا کیف حکم من کان فی الہد صبیا۔

(۳۰) قال انی عبد اللہ آتئے الکتاب وجعلنی نبیا۔

(۳۱) وجعلنی مبرکاً این ما کنت واوصنی بالصلوۃ والزکوۃ ماومت حیا۔

(۳۲) بر ابو الدقی ولم یجعلنی جباراً شقیبا۔

(۳۳) والسلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعت حیا۔

(۳۴) ذلک عیسیٰ بن مریم۔

(۱۶۹) انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القا الی مریم وروح سنہ (۱۶۹)

ان آیات میں مریم صدیقہ کی زندگی کے تین مختلف واقعات کا ذکر ہے اور

وہ واقعات ایسے ہیں جو بمقتضایہ ہجرائے طبعی سب انسانوں کو پیش آسکتی

ہیں۔ ہمارے علماء مفسرین نے ان واقعات پر کما حقہ غور نہیں کیا

اور نہ اُس زمانہ کے معلومات اس قسم کے تھے کہ ان کو ایسے امور پر

(۲۹) پر مریم نے ہاتھ پیر کے طرف اشارہ کیا۔ بولے اس سے ہم کیا بات کریں جو کل پہنچتا

(۳۰) بولا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھ کو اُس نے کتاب دی اور مجھ کو نبی کیا۔

(۳۱) اور مجھ کو بکت والا بنایا جہاں کہیں میں ہوں۔ اور جہاں میں جیتا ہوں جی ما زکوۃ کی تاکید کی ہے۔

(۳۲) اور ماں کے ساتھ سلوک کرنے والا اور مجھ کو زبردست بدبخت نہیں بنایا۔

(۳۳) اور اسلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا تھا اور جس دن میں مرد لگا اور جس دن زندہ رہوں گا اور جس دن

(۳۴) یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا

(۱۶۹) تحقیق مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جس کو مریم کے

طرف والا اور روح ہے اُس کے طرف سے۔

غور کرنے کو مائل کرتے۔ جس شخص نے قرآن مجید کی طرزِ تحریر قصصِ انبیاء، سلف اور آؤز کتب مقدسہ کی طرزِ تحریر کا مقابلہ کیا ہوگا اسکو معلوم ہوا ہوگا کہ قرآن مجید کا انداز اُن سے نہایت مختلف ہے۔ قرآن مجید میں انبیاء، سلف و اہم سابقہ کے قصے بالتفصیل بیان نہیں ہوئے کیونکہ اُن قصوں کا لکھنا قرآن مجید کا مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ جس موقع پر جو عبرت کی بات مناسب سمجھی گئی ہے۔ وہ اُن قصص میں سے بیان کر دی گئی ہے اور بعض موقعوں پر صرف بطور اشارہ بعض واقعات کو یاد دلایا گیا ہے اور بالاسیباب اُنکا بیان نہیں ہوا۔ قرآن مجید کے مخاطب جو اکثر یہود و نصاریٰ تھے، وہ کتب مقدسہ کی حکایات و قصص سے بخوبی واقف تھے اور اُنکو ادنیٰ یاد و دانی ہی کافی ہوتی تھی۔ نیز چونکہ خداوند تعالیٰ عظام الغیوب ہے اور گزشتہ زمانوں کی واقعات اُسکے علم میں ہر ساعت موجود و حاضر ہیں وہ اپنی کلام میں بھی اُن واقعات کو جو بجاِ تذکرہ کے ایک دوسرے سے بہت بعید ہیں ایسے طور سے بیان کرتا ہے کہ گویا وہ واقعات یکے بعد دیگرے ایک سلسلہ میں چلے آتے ہیں چنانچہ فرمایا ہے

ارسلنا مرسلنا تبثملہا ۛ فلما جاء امتہ سورہہا
 کذبوہ فاتبعنا بعضہم بعضا وجعلناہم احیاء

کہ لگاتار ایک دوسرے کے بعد بھیجی گئی، کئی کئی صدیوں کے بعد آئی تھی۔ پس قرآن مجید پڑھنے کے وقت یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ قرآن مجید کے مخاطب، کتب مقدسہ کی قصص و حکایات سے واقف تھے گئے ہیں،

اور اس لئے قرآن مجید اگر ان قصص کو ضرورتاً بیان کرتا ہے، تو بالاجمال بیان کرتا ہے۔

اس قصہ مریم صدیقہ میں تین واقعوں کا ذکر ہے، جیسا ہماری تین عنوانات سے ظاہر ہے۔ ہمارے بعض علماء مفسرین نے ان مختلف مقاموں کے واقعات کو بلا جگہ کر ایک عجیب قصہ گڑھ لیا ہے، کہ مریم صدیقہ غسل جنابت کر رہی تھیں کہ حضرت جبریل ولادت مسیح کی بشارت لائے، اور نفع روح سے انکو چند منٹ میں معاملہ کر دیا، اور چند منٹ ہی میں وضع حمل ہو گیا، اور اسید بوقت حضرت مسیح کفار سے باتیں کرنے لگے۔ لیکن ایک معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے، کہ یہ سب علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں۔

اؤ گلاں واقعات کی نیچر ہی ایسی ہے کہ یہ تراخی واقع ہو سکتی ہیں اس بات کی ثبوت میں ہم صرف انسانی عقل اور تجربہ ہی کو پیش نہیں کرتی بلکہ کلام مجید سے سند لاتی ہیں۔ اُس قدرت کا ملہ خداوندی کا بیان جو خلقت انسانی میں ہمیشہ ظاہر ہوتی ہے قرآن مجید میں اس طرح ہوا ہے۔ کہ انسان نطفہ کی

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ	صورتیں کچھ عرصہ رحم والدہ میں رہتا
ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نَظْفَةً فُجْرًا ۚ مَكِينٍ	پھر روز بروز اُس میں تبدیلی
خَلَقْنَا النَّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مِضْغَةً ۚ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ مُضْغَةً مُّضْغَةً ۚ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ عِظَامًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نَاسًا ۚ قُلْ أَفَلَا تَعْلَمُونَ	مضغہ ہوتی ہے اور مختلف حالتیں بدلتا بدلتا مدت مقررہ کے بعد آدمی بن جاتا ہے۔

ثانیاً آیات مذکورہ بالا میں کوئی ایسا لفظ واقع نہیں ہوا جو ہمیں اس بات کے

ماننے پر مجبور کرے، کہ یہ واقعات ان واحد میں ہوئے تھے۔ فاعداً کلمہ
 جیسے کہ یہ شک اس قسم کا ظاہر کیا جاتا ہے، ایسا حرف نہیں کہ اسکا استعمال
 ترتیب بلا مصلحت کے لئے مخصوص ہو، بلکہ محاورہ عوب میں اس کے برخلاف بھی پایا
 جاتا ہے۔ خود قرآن مجید میں متعدد مواقع میں حرف فا ایسے جملوں پر آیا ہے کہ
 ان جملوں کا مضمون جملہ ماسبق کے مضمون کے مقارن واقع نہیں ہوا مثلاً
 (۱) قال رب بانئت علی فلن اکون ظہیراً للبحرین۔ فاکھرج فی الدینۃ خالفاً
 یتربق (قصص) اس آیت میں دونوں جملوں کے مضمون میں اتصال
 زمانی نہیں۔

(۲) ان قارون کان من قوم موسیٰ..... فخرج علی قومہ فی زینۃ قال الذین
 یریدون الحیوۃ الدنیائی لیت لنا مثل ما اوتی قارون انه لذو حظ عظیم.....
 فخنقنا بہ وبادرہ الارض (قصص) قارون کے غرق ہونیکا قصہ
 مشہور ہے اور یہ واقعہ مقارن ان واقعات کے نہ ہوا تھا، جو اس آیت کے
 جمل ماسبق میں بیان ہوئے ہیں۔ پس یہاں بھی ترتیب بلا مصلحت ملحوظ نہیں
 ہے۔

(۳) اذ ابتغی الفلک اشحون۔ فہا ہم فکان من الہضیین (صافات)
 فرمہ ڈالنے کا فعل، بونس کی کشتی میں پہنچنے کے مقارن نہ ہوا تھا۔

(۴) ولقد اتینا موسیٰ الکتاب ساجد مختلف فیہ (حمر) موسیٰ علیہ السلام
 کی کتاب میں جو اختلاف پڑے ہیں، وہ حضرت موسیٰ کے عہد میں نہ پڑے تھے
 بلکہ ایک زمانہ بعد، غرض کہ ایسے بہت سی مثالیں کلام مجید اور محاورہ عربی

نقل کئے جاسکتے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فاء عاطفہ کے ماقبل و مابعد میں ہمیشہ اتصال ضروری نہیں۔ پس مولوی صاحب کا دعویٰ، اور وہ اقوال جو اس بات کی تائید میں بیان ہوئے ہیں کہ یہ حالات ایک دوسرے کے بعد بلا فصل واقع ہوئے ہیں، بالکل غلط ہے۔ پس جب فاء کا استعمال ملت اور بلا ملت ہر دو طرح محاورہ عرب میں موجود ہے، اور قرینہ مقام، اور قرین قدرت، اور عقل انسانی، سب اس بات کے مقتضی ہیں کہ یہ واقعات ثلاثہ ہر طرح واقع ہوئے ہوں تو اور کون سی وجہ ترجیح فاء بمعنی بلا ملت کے ہے؟ اس کے سوا اور کوئی ثبوت مولوی صاحب نے اپنی دعاوی کا نہیں دیا اور معمولی دلائل سے کہنا کہ ابو القاسم بلخی کا قول بعید ہے، پہنے مانا کہ ابن عباس جو مدۃ صل نوامہ بتلاتے ہیں، اور ابو القاسم بلخی جس کا یہ قول ہے کہ حضرت مسیح نے صغریٰ میں گنگو نہیں کی، عربی کی لیاقت نہ دے سکتے تھے، اور انکو مولوی صاحب سے فضیلت حاصل تھی مگر حیرانی کی بات ہے کہ کس دلیل سے ان کا قول بعید ہے؟

معذرا مولوی صاحب کی تقریر انکے ہنجاروں کے اقوال کے مبطل، اور انکی تحریرات سابقہ کی متناقض، اور ہمارے دعاوی کی مثبت و موید ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اتصال کے یہ معنی نہیں کہ دو امر متصل ہیں مطلق تاخیر و تراخی نہ ہو بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اُن دونوں میں کسی امر اجنبی کا حلول و تداخل نہ ہو پس اگر نوامہ چھوڑ نو برس بھی محل رہتا اور پھر درِ درہ واقع ہوتا تو بھی کہا جاتا کہ درِ درہ جل کے متصل واقع ہوا ہے مگر اس بات کے سمجھنے کو پورے پین معلومات کافی نہیں مشرقِ علوم سے مناسبت ضروری ہے، سو یہاں کہاں، اگر اتصال کے یہ معنی

نہیں کہ دو امر متصل میں مطلق تاخیر و تراخی نہ ہو تو محل ساعۃ واحدہ کا استدلال باطل ہے۔ پس ان تمام مفسروں کے اقوال جنہوں نے فاء تعقیب سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مدت محل ساعۃ واحدہ متعین ہے، آپ کے قول ہی کے موافق نہ ہیں۔ رہا اچھی کلام کا تناقض، سو وہ بھی ظاہر ہے۔ کیونکہ آپ کی ہی قاعدہ کے موافق فاء تعقیب کے معطوف و معطوف علیہ میں کسی امر اجنبی کا حلول و تداخل نہیں ہونا چاہئے، مگر اجزاء اور ائت کے مابین فعل و وضع حل ایک امر اجنبی ہے اور اس لئے ان میں اتصال نہیں۔ آپ کہیں گے کہ بعد فاجاء کے فوضعت محذوف ہے لیکن اگر دو جملوں میں اتصال ثابت کر نیکی غرض سے آپ ایک فعل مقدر بیان کر سکتے ہیں تو اسی قرینہ سے کسی ایک فعل مثلاً فریختہ حتی صا دبا لغا مقدر ہو سکتی ہیں اسطر محلی تقدیر عبارت کی مثالیں کلام مجید میں بہت پائی جاتی ہیں، جیسا کہ تفاسیر کے مطالعہ کرنے والوں پر روشن ہے چنانچہ سورہ یوسف میں انا انبئکم بما ولیہ فارسلوں اور یوسف ایہا الصدیق کے درمیان باتفاق جمہ و منفرد استقدر عبارت مقدر ہے فارسلوا الہ فاتی یوسف فقال یا اے پس جو کچھ موبو یصاحب نے ان واقعات کے متصل ہونے کی نسبت بچانے، وہ سراسر غلط ہے حضرت مسیح کی ولادت کا حال جو انجیل و قرآن مجید و دیگر کتب سے معلوم ہو سکتا ہے اور جسکی تائید انسانی عقل اور تجربہ سے ہوتی ہے یہ ہے :-

بعد قول ان کے فحتمہ فانبئت بہ فاجاء النحاض فناداه من تحتہا، والفاء للتعقیب فدللت ہذہ الفاء ان علی ان کل واحد من ہذہ الاحوال حصل عقب الآخر من غیر فصل و ذلک یوجب کون مدة المحل ساعۃ واحدہ۔ تفسیر کبیر

یہودی کتاب اقدس کے موجب یہ یقین رکھتے تھے کہ مسیح داؤد کی نسل سے ہو گا۔ اُس زمانہ کی عورتیں دعائیں مانگتی تھیں کہ مسیح ہمارے گھر پیدا ہو اور اس مقصد کے حصول کی واسطے وہ عبادتیں کرتی تھیں، اور خداوند کے ہیکل میں جاتیں اور زندریں مانتی تھیں۔ مریم صدیقہ کی بھی یہی دلی آرزو تھی رات دن ایک خیال میں مستغرق رہتا، اور عبادت میں بھی وہی خیال پیش نظر رہتا، اور ہر وقت اُس کی دعا مانگنا، اور چلہ کہینچنا، دم و خیال پر بہت اثر رکھتا ہے۔ ایسی حالتوں میں متحیلہ میں کسی قسم کی صورت کا دکھائی دینا، یا بن بولنے والے کے آواز سن کا سننا، ایک عام بات ہے۔ ایسا ہی مریم صدیقہ کے ساتھ ہوا۔ ایک روز جب وہ اپنے گھر سے نکل کر ایک تنہا مکان میں اپنے خیال میں مستغرق و محو تھیں کہ دفعۃً اُنکو ایسا معلوم ہوا کہ اُن کے دو برو کوئی شخص پکارتے (مریم اُٹھا) اور ایسی از خود وارفتہ ہوئیں کہ اُس صورتہ متشدد سے ہکلام ہوئیں اور اُسے جواب بھی سنا (مریم اُٹھا) کچھ عرصہ کے بعد مریم صدیقہ کی یوسف سے منگنی ہو گئی (متی باب ۱ آیت ۱۸)

یہودیوں میں منگنی اور نکاح میں کوئی شرعی فرق نہیں ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے کوئی رسم علیحدہ نکاح کی مقرر نہیں کی۔ منگنی کے بعد منسوب سے جو انکی شریعت میں منکوحہ کہلاتی تھی مباشرت جائز ہو جاتے تھی، گو زوجہ کو کچھ مہر عداد مقررہ کے بدلے اپنے گہ لایا جاتا تھا۔ حضرت مریم بھی اپنے شوہر کے گہ آنے سے پیشتر حاملہ ہو گئیں (مریم ۲۲ آیت ۱۸) (متی باب ۱ آیت ۱۸)، انہیں دنوں مریم اُٹھ کر جلدی سے کوہستان میں یودا کے ایک شہر کو گئی (لوقا باب ۱ آیت ۳۹)

انہیں دنوں قیصر اغسطوس نے اسم نویسی کا حکم دیا تھا اور یوسف بیت لحم کو گیا کہ اپنی بیوی کے ساتھ جو حاملہ تھی نام لکھا دے۔ جب وہاں ہی تھے کہ اُسکے جننے کے دن پورے ہوئے اور بیٹا جنی (لوقا باب آیت ۲۷) اور یسوع اُسکا نام رکھا رکھا بڑھتا گیا اُس کے مان باپ ہر سال اُس کو یروشلم لیجا کر لے تے تھے۔ مسیح نے بارہ برس کی عمر میں ہی وعظ و تلقین شروع کی (لوقا باب آیت ۴۹) ہیکل کے سب اُستاد اُسکی تقریر سے دنگ ہو گئے اور اُسکی باتوں کو کفر و بیدینی پر محمول کیا اور مریم کو اگر کہا کہ یا مریم جُت شینا فریا حضرت مریم نے اسکا کچھ جواب نہ دیا اور صرف یہی کہا کہ اُسی سے پوچھو اُنہوں نے کہا کہ ہم کل کے بچے سے کیا بات کریں مسیح نے کہا کہ میں بنی ہوں اور جو کچھ کہتا ہوں وہ خدا کی طرف سے ہے۔ اُس میں کوئی بیدینی کی بات نہیں ہے۔ اور بدستور وعظ کرتے رہے آخر یہودیوں نے طرح طرح کے الزاموں سے جیسے سقراط پر لگائے گئے تھے، اور جیسے آجکل ہمارے خیم ہند پر لگ رہے ہیں، اُنکو گرفتار کر کر عذاب صلیب میں پھنسایا۔

ان واقعات میں سے قریباً سب قرآن مجید میں بالا جہاں بیان ہوئے ہیں۔

آیات (۱۶-۱۷) میں حضرت مریم کا تنہائی میں دعا کے لئے جانا، اور وہاں ایک صورت کا متمثل ہونا، بیان ہوا ہے۔ ہم پیچھے ثابت کر آئے ہیں کہ جو کچھ تھا مریم کے خیال میں تھا، اور فی الخارج کچھ نہ تھا۔ اس القار نے القلب دروع فی النفث کو الفاظ ارسالنا الیہا روحنا سے قرآن مجید میں تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام میں اوحینا الیک روحنا من امرنا لکنا گیا ہے

اس تمام واقعہ کی حقیقت اور ہمارے تمام رایوں کی بنیاد و لفظ تمثیل ہے جس کے معنی تخلیق میں صورت بندہ جانا، اور کسی شے کا تصور حاصل ہونا ہے اس معنی میں ہمارے مفسرین اسکو استعمال کیا ہے، اور یہی معنی مستند کتب لغت میں مندرج ہیں۔ چنانچہ چند مقامات ہم پیچھے نقل کر چکے ہیں جسے نہایت وضاحت سے ثابت ہوتا ہے کہ مریم کو جو کچھ دکھائی دیا وہ حقیقت میں کچھ نہ تھا۔ اگر جو کچھ انجیل میں لکھا ہے اُس پر یقین کیا جاوے اور اُسے قیاساً نتیجہ نکالا جاوے، تو اس واقعہ کا حالت خواب میں ہونا ہی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یوسف کو بھی خواب میں ہی ظاہر ہو کر فرشتہ نے حمل کی خبر دی تھی، پر پورپ کے مجوس کو بھی فرشتہ نے خواب میں ظاہر ہو کر ہیرٹس کے پاس جانے سے منع کیا تھا، پر یوسف کو مکر فرشتہ نے خواب میں ظاہر ہو کر مصر کو ہاگ جائیکی صلاح دی۔ ہیرٹس کے مرہٹکی خبر بھی فرشتہ نے یوسف کو خواب میں دی تھی غرض کہ ان سلسلہ واقعات میں جس جگہ فرشتہ کا آنا بیان ہوا ہے، وہ خواب میں ہے بیان ہوا ہے، اُسی قیاس سے اور لفظ تمثیل کی تائید سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مریم صدیقہ کو بھی فرشتہ خواب میں ہی نظر آیا ہوگا۔ لیکن ہمارے پاس قطعی دلیل اس بات کے ثبوت کی نہیں کہ یہ واقعہ خواب میں ہوا تھا۔ محمد اقرآن مجید کے رو سے یہ یہی قطعاً ثابت ہے کہ وجود فرشتہ کا محض تمثیلی و خیالی تھا۔ جو لوگ عبادتوں میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں، ریاضتیں کرتے ہیں، منتیں مانگتے ہیں، مندوبوں اور عبادت خانوں میں چراغ جلا کر عالم تصور میں بیٹھے رہتے ہیں،

ان کے وہم و خیال کی قوتیں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ تاریخ سے ایسے بہت سے آدمیوں کی نظیریں ملتی ہیں، خصوصاً جوان آف آرت کا قصہ مریم صدیقہ کے قصہ سے نہایت ہی مشابہہ اور اسے بدرجہا زیادہ تعجب خیز و حیرت انگیز ہے

(۱۸-۲۱) ان آیات میں حضرت مریم کا اُس صورتہ متمثلہ سے مکالمہ مذکور ہوا ہے اس رویا کے وقت تک مریم صدیقہ کی منگنی نہیں ہوئی تھی، لوقا نے جو لکھا ہے کہ خدا کا فرشتہ ایک کنواری کے پاس پہنچا گیا (جسکی یوسف سے جو داؤد کے

لورین صوبہ فرانس میں ایک غریب زمیندار کی جان نامی ایک لڑکی تھی۔ بچپن سے اُسکو تھائی ہندی اور گوشہ نشینی کی عادت تھی۔ پہلے بکریوں کا گھلے لیکر جنگل میں جاتی تو چوپ چار بچہ سنان درختوں میں اکیلی بیٹھتی تھی یا اپنے گاؤں کے گرد بگائے تنگ تاریک جگہوں میں جا چھپی جہاں نہ بچ کی تمنا کی چراغ کی سوا کچھ روشنی نہ ہوتی تھی۔ اسکا مقصد یہ ہوا کہ اُسکو عجیب عجیب خیالی صورتیں دکھائی دینے لگیں۔ گاؤں کے جاہل اور وہمی لوگوں نے اُسکے خیالات کی تائید کی۔ آخر نو بہار تک پہنچی کہ وہ درختے چکی تعمیریں وہ ہر وقت گرجا میں دیکھتی تھی اُسکو نظر آتے اعدا اُس کے پاس آکر اُسے باتیں کرتے تھے۔ ایک دن اُسے معلوم کیا کہ میکائیل مجاہد حکم دیتا ہے کہ میں فراف کی مدد کروں۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر فراف کے پاس گئی بہت سی لڑائیاں اُس نے جیتیں اور فارس۔ گمراہ دشمن کے ہاتھ لگی، تو وہ کرنے پر عذاب موت کی جگہ جہنم و اعمیٰ سزا ملی۔ فید خانہ میں کھانا کم کھاتی اور خالی بیٹھی رہنے سے پر وہ ہی تماشے نظر آنے لگے۔ آخر ایک چوک میں تمام خلقت کے روبرو نہایت یرحمی سے جلانی گئی۔ صلیب ٹھہ میں لے ہوئے نہایت استقلال سے اُس بیگناہ لڑکی نے جان دی

اگر نے سے تھا منگنی ہوئی تھی) سو اس آیت میں مریم کے اس وقت کی حالت و صفت کا بیان نہیں بلکہ اُن کی پچھلی حالت کا بیان ہے، کیونکہ اس آیت سے مریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت تک وہ کسی مرد کو نہ جانتی تھیں۔ مگر اسے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے بعد بھی یہ امر واقع نہیں ہو گا تو قرآن مجید میں کہیں اسکا ذکر نہ ہوا ہو۔ اگر صرف اس بات سے کہ مس بشیر کا کہیں ذکر نہیں ہوا یہ نتیجہ نکالا جائے کہ مسیح بن باپ کے ہوئے تھے تو یہ ہی نتیجہ دیگر اولاد مریم کی نسبت بھی نکالنا پڑے گا کیونکہ اسکی بھی کہیں تصریح نہیں ہوئی کہ یہ اولاد مس بشیر سے ہوئی تھی (۶۶) حضرت مریم کا ایام حل میں کوہستان یہود کو جانا بیان ہوا ہے۔ جسکو سکنا تقصیا سے تعبیر کیا ہے

فقال ابن عباس رضي الله عنهما اقصى لواءى وهو وادى	چنانچہ انجیل یوحنا وستی سے
بيت لحم وقال الكلبي حل يوسف النجار و مریم ابنت	بھی مریم صدیقہ کو اس سفر کی
عیسیٰ الی غار و ملک اربعین یوماً و مریم و ثعلبانی	تائید ہوتی ہے۔ سکنا تقصیا
یوسف احتملنا الی اخر مصر علی حمار له تسع ایلیم بضا وکی	سے یہ مطلب نہیں کہ

اسکی مثال یہ ہے کہ زید کو کسی نے بچپن میں کہا کہ تم بڑے لائق اور صاحب تصانیف ہو گے۔ زید نے کہا کہ میٹر تو الف۔ بے۔ تے ہی نہیں پڑھی۔ میں لائق کس طرح ہوں گا۔ اب اگر حقیقت میں زید پڑھو کر ویسا ہی لائق نکلے جیسا کہ کہا گیا تھا تو کیا یہ نتیجہ نکالنا درست ہو گا کہ وہ بغیر تعلیم پانے کے علم لدنی سے عالم فانیل ہو گیا ہے جو اسے طبع مریم کی کسٹ خاص وقت کی اس قول سے کہ مجھے کسی شخص نے نہیں پڑھا، یہ قیاس کر لینا کہ اس کے بعد بھی ہرگز ایسا نہ ہوا ہو گا اور انکی اولاد مریم بشیر ہوتی ہی، قیاس مع الفارق ہے۔

اپنے گھر کے پاس کسی دور مکان میں چلے گئے، اس قسم کی تحلفات صرف اس
نظر سے کئے جاتے ہیں کہ ان سب مختلف و متفرق واقعات کا متصل ہونا
اور ان واحد میں ختم ہونا ثابت ہو جاوے

(۶۳) وضع حل کا بیان ہے۔ اس کہنے سے کہ کاش میں مرجاتی یہ ہرگز
نہیں پایا جاتا، کہ انہوں نے معاذ اللہ کوئی ناجائز کام کیا تھا، اور لوگوں کی
لعنت ملامت کا ڈر تھا۔ بلکہ یہ ایک معمولی بات ہے کہ انسان مشکلات و تکلیف
شاقہ کے وقت کہا کرتا ہے کہ کاش میں مرجاتا اور یہ صحت نہ دیکھتا!
ہمارے اس قول کی تفسیر کبیر سے بھی تائید ہوتی ہے جہاں لکھا ہے کہ صلا جب کسی
مصیبت میں پڑے ہیں تو یہ کہا کرتے ہیں۔

ان عاده الصالحين اذ وقعوا في بلاء وان
يقولوا ذالک وقال علی یوم الحزن بالتی مت
قبل هذا الیوم وعزیکالی لیت بلول
لم تلده امر - فثبت ان هذا الکلام یذکر
الصالحون عند ابتداء احوالهم علیهم

اسے ثابت ہوا کہ صالح آدمی مصیبت کی وقت ایسا ہی کہا کرتے ہیں۔

پس اس آیت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ بلا شوہر حاملہ ہوئیں تھیں اور استیحاء
لناس یہ بات کسی تہی محض نادانی ہے۔

(۶۴) ہم بیان کر چکے ہیں کہ کس شوق سے یہودی اور یہودی عورتیں و عائلے
ماگتی تھیں کہ مسیح ہمارے گہ پیدا ہوا اور کس خوشی سے تدریس مانتی تھیں۔
چنانچہ اس آیت میں اُس روز کا بیان ہے جو مریم صدیقہ نے بطور

منت مانا تھا۔

۲۷ء یہ اُس زمانہ کا ذکر معلوم ہوتا ہے، جب حضرت مسیح نے عام شہرت حاصل کر لی تھی، اور یہودی اگلی وعظ و تلقین سے ناراض ہونے لگے تھے۔ اس وقت حضرت مسیح کے والد کا انتقال ہو گیا تھا، اور اس ^{سبب} سے پھر کہیں یوسف کا ذکر انجیل میں مسیح کے حالات میں نہیں ہوا۔ مریم حضرت مسیح کو لیکر قینائے گلیل میں جو اعداً اُن کا اصلی وطن تھا چلی گئی تھیں۔ یہودی حضرت مسیح کے وعظ سے ناراض ہو کر مریم صدیقہ کے پاس شکایت لائے، اور کہا کہ تو نے عجیب بچہ جنا ہے (جبت شئیما فیا) جو ایسی بے دینی کی باتیں کہتا ہے، تیرا باپ تو بڑا آدمی نہ تھا نہ تیری ماں احکام شریعت سے سرکش تھے۔ خرقہ کے معنی اعرجیب و عظیم کے ہیں، اور کوئی قرینہ ایسا نہیں کہ اس کے کچھ اور معنی قرار دے جائیں۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ جب اسکی تائید میں مریم کے ماں باپ کا زانیہ بدکار نہ ہونا بیان کیا گیا ہے تو اسے یقیناً معلوم ہوا کہ لفظ فری سے مختم ہونے والا مراد ہے؟، مگر یہاں کوئی ایسا لفظ نہیں جسکے معنی زانی یا بدکار کے ہوں۔ پس مولوی صاحب کا جواب بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ نہ امر سوء کے معنی زانی ہیں۔ اور نہ بھیجی کے معنی صرف بدکار ہیں یعنی بنی سے مشتق ہے جس کے معنی از حد فزوں ہے، جیسا کہ تفسیر فیضاوی میں لکھا ہے، اور یہاں تمیل حکام الہی سے سرکشی کرنا مراد ہے۔

اس آیت میں ایک لفظ قحطلہ آیا ہے جسکے معنی گود میں اٹھانیکے کئے گئے ہیں

ولادت مسیح

اور ایسے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت مسیح اُس وقت صغیر سن تھے۔ لیکن تھمہاں مجازاً استعمال ہوا ہے اور جس سے مراد صرف ساتھ لے آنا ہے، چنانچہ کبھی نے بھی اس لفظ کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے قال الکلبی حمل یوسف النجار مریم وانبأ الی غار پس مطلب صرف اس قدر ہے کہ مریم حضرت مسیح کو اٹھا لائی اور ایسا بولنا نہایت صحیح اور عام محاورہ ہوا البتہ کہا جاسکتا ہے کہ پراست بہ کہنا فضول تھا کیونکہ یہ تھمہاں ہی مفہوم ہے انصوا سطر میری یہ رائے ہے کہ یہاں اس کے معنی باتیں کرنا اور دل بھلانا ہیں، یعنی مریم صدیقہ حضرت مسیح سے باتیں کرتی چلی آتی تھیں، میں اپنی اس رائے کی تائید میں ایک مشہور فاضل علم ادب عربی سے سند لاتا ہوں۔ ابو القاسم حریری نے اپنی کتاب مقالہ الحریج میں حل کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ پس یہ نہایت ہی سید ہے سادے معنی ہیں اور یہی معنی ہنسنے ترجمہ آیات میں لکھے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت مسیح گدھے پر سوار ہوں (خر عیسیٰ مشہور ہے)، اور مریم کو جو بطور محافظہ اُن کے ہمراہ تھیں، مجازاً اُسکا حامل کہا گیا ہو۔ منی باب آیت میں بھی

ہذا کان شہن رجلاً من دغاة العرب فصاحبه رجل فی بعض اسفاره فلما اخذ منها السیرال شہن اتمحلتی ام احمک فقال الرجل یا جاہل کیف یحمل الراكب الراكب؟ فاسک وسارثم وصلا الی قریۃ الرجل وصاحبہ الی منزله دکانت له بنت تستی طبقه فانذا یطرفنا بحدیث رفیقہ فقالت ما نطق الا بالاصواب اما قوله اتمحلتی ام احمک فاراد اتحاد شہن ام احمک حتی تقطع الطریق بالحدیث۔ مقامات حریری

حضرت مسیح کا گدھے پر سوار ہونا بیان ہوا ہے۔ صل کو اس معنی میں سنا
 کر بیکری تائید بھی قرآن مجید سے ہوتی ہے۔ جب بنی اسرائیل سے تابوت سکینہ
 جاتا رہا، اور طالوت بادشاہ ہوا تو ان کے بنی نے تابوت سکینہ کے واپس ملنے کو
 بشارت بایں الفاظ دی تھی، کہ تھلہ السلاکتہ یعنی اُسکو خرشتہ اور ٹھلا دیں گے،
 حالانکہ اُس تابوت کو خرشتہ خود اٹھا کر لائے تھے بلکہ وہ جیلوں کی گاڑی پر لایا گیا
 تھا، اور ملاکہ کو جنگی حفاظت سے وہ آیا تھا مجازاً اسکا حامل کہا گیا۔ اسی واسطے
 تفاسیر میں تھلہ کے معنی تسوقہ (راکتے تھے) لکھے ہیں۔ حضرت مسیح کا حال بالتفصیل
 و بالترتیب معلوم نہ ہونے سے ہم قطعی طور پر ان وجہ میں سے کسی کو ترجیح نہیں
 دے سکتے، لیکن یہ اصول یاد رہنا چاہئے کہ اگر کوئی آیت قرآن مجید کی محتمل کی
 وجہ کی ہو تو وہ معنی مختار و مرجع ہونے چاہئیں، جو انسانی عقل و فطرت کے
 موافق ہوں، نہ وہ جس میں عجائبات پائی جائیں، چنانچہ محققین مفسرین کا ہمیشہ
 یہی اصول رہا ہے، اور یہی خوبی ہے جسکے سبب تفسیر مضامی اور تفسیر کبیر
 کو اور تفاسیر پر فضیلت ہے، اور یہ ہی وہ بات ہے جس کے سبب نجم الدین
 سید احمد خان صاحب بھادر کی تفسیر القرآن جملہ تفاسیر کی فرست کا ستراج بنیگی،
 (۲۶) من کان فی السد صبیحا میں سید صاحب کان کو زائدہ قرار نہیں دیتے،
 نہ فصاحت و بلاغت قرآنی کا یہ مقتضا ہے کہ بلا ضرورت اُسکو زائدہ مانا جاوے،
 اور نہ حضرت مسیح کی اگلی کلام اس کے مؤید ہے، جسکی طرز ایسی ہے گویا کسی مدت کے واقف گذشتہ
 بخود السلام علی یوم ولادت یعنی وہی ہے جو ہم پر جس روز میں پیدا ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ماجرا وہی وقت
 نہیں بلکہ زمانہ با قبل کا ہے۔ اگر یوم ولادت کا ہوتا تو السلام علی الیوم کہا جاتا۔

ڈکر ہے۔ لیکن اگر بطریق تنزل ہم کان کو زائد ہی مانیں تب بھی یہ ثابت ہونا مشکل ہے کہ حضرت مسیح ایسی عمر میں گویا ہوئے تھے، جس میں عام فطرت انسانی کے موافق کوئی بچہ نہیں بول سکتا۔ کیونکہ اس بات کے کہنے سے کہ ہم بچہ سے کیا بات کریں صرف مشکل کا اتنا مقصود ہے کہ طرف ثانی نہایت کم عمر ہے، نہ یہ کہ وہ بالکل کلام نہیں کر سکتا۔ (آجکل اکثر مولوی بھی نئی تعلیم یافتہ نوجوانوں کے سوالوں کو بھی یہی کھکڑاں دیتے ہیں کہ ہم بچہ سے کیا گفتگو کریں مشہور صحارہ ہے کہ ”اطلبو العلم من المهد الی اللحد“، اگر مرد میں تحصیل علم کی استعداد ہوتی ہے تو کلام کر نیکی قابلیت بطریق اولیٰ ہونی چاہیے، پس اس بات کا کوئی ثبوت قرآن مجید سے نہیں کہ مسیح نے اس قدر صغر سنی میں کلام کی، جس عمر میں کوئی بچہ نہیں کر سکتا۔

(۳۰-۳۱) ان آیتوں میں پرانے دونوں دعووں کا ابطال ہے کہ حضرت مسیح بن باپ کے پیدا ہوئے اور انہوں نے غایت صغر سنی میں کلام کی۔ اگر حضرت مسیح بن باپ کے پیدا ہوئے ہوتے، اور یہودی مریح صدیقہ پر زنا کا اتمام لگاتے، اور مسیح اپنی ام صدیقہ کی عصمت پر شہادت دینی کو گویا ہوئے ہوتے تو ضرور تمہا کہ وہ انکی بریت کی دلیل بیان کرتے، مگر مسیح نے کہا کہ ”مجھ کو اللہ نے کتاب دی ہے اور مجھ کو بنی کہا ہے“ جس میں دلیل تو کیا ایک لفظ ہی اپنی ام صدیقہ کی بریت کا نہیں، بلکہ اپنی نبوت اور صاحب کتاب ہونا بیان کیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگ ان کو بنی نہ مانتے تھے اور ان کی باتوں کو بیدینی اور کفر سمجھتے تھے۔ اس آیت کی کہنچ تان کر

ایسے معنی بیان کرنا جسے انکی والدہ پر سے فرضی اتمام دور ہو، تفسیر القول
بالایرضی بہ قائم ہے۔ اس طرح مسیح کا یہ کہنا کہ مجھ کو نماز و زکوٰۃ کا حکم ملا ہے
بریت مریم سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا، بلکہ یہ جتنا تا ہے کہ وہ اس وقت بالغ ہو چکے
تھے اور نبوت کی حد کو پہنچ گئے تھے، کیوں کہ بچوں کو نماز و زکوٰۃ کا حکم نہیں
ملا ہے بلکہ وہ مرفوع القلم ہوتے ہیں۔

یہ سوال کہ آیا جہی ایسے احکام کے لئے مکلف ہو سکتا ہے؟ ہمارے مفسرین کے
دل میں بھی کھٹکا ہے، اور انہوں نے اپنی دانست میں اس مشکل کو حل
کر دیا ہے، ان کا حل بھی نہایت عجیب ہے، اور اس لئے اسکا لکھنا بھی یہاں خالی
از لطف نہ ہوگا۔

لما انفصل عیسیٰ عن امہ صیرہ بالغاً فلا تام الا عضاءه والخلقۃ وتحقیقہ قولہ تعالیٰ ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم فلما انہ تعالیٰ الخلق آدم تاماً کاملہ	لکھتے ہیں کہ مسیح اپنی والدہ سے علیحدہ ہوتے ہی یکم بالغ عادل ہو گئے۔ اس واسطے انکو آدم سے مشابہ کہا گیا ہے
--	---

اسکی مثال یہ ہے کہ زید پہلا رام چور بکا لگا یا گیا۔ زید اپنی برات میں اپنے دوست عمر کو شہادت
کے لئے پیش کرتا ہے عمرو نے عدالت میں یہ بیان کیا کہ میں مولوی ہوں۔ متقی ہوں حدیث
ہوں اور زید کی برات کا ایک حرف بھی بیان نہ کیا۔ اب اگر کوئی عمرو کی شہادت کے یہ
معنی تجویز کرے کہ اگر زید چور ہوتا تو عمرو مولوی، متقی محدث ہو کر چور کو اپنا دوست
نہاتا اور اس لئے اپنی تعریف سے حقیقت میں اپنی دوست کی برات منظور ہے تو کیا معنی
مسیح سے جائیں گے؟ ایسی ہی معنی ہمارے مولانا نے مسیح کی کلام کے لئے ہیں۔

دلائل مسیح

دفعۃ فکنا القول فی عیسیٰ وھذا القول قریب الی الظاہر لقولہ ما دمت حیًا فانتہ یقید ان ھذا التکلیف متوجہ علیہ فی جمیع زمان حیاتی تفسیر کہ ہر جلد سوم صفحہ ۹۹	پھر کہتے ہیں کہ اس مشکل کے حل کرنے میں جو توحیدیت بیان ہوئی ہیں یہ سب سے عمدہ اور ظاہر قرآن کے
---	--

موافق ہے۔ سبحان اللہ! اخیر اگرچہ یہ ایک نیا مقدمہ ہے کہ مسیح آنا فانا بالغ ہو گئے، یا عام فطرت انسانی کی موافق ہوے، لیکن اس قول سے اس بات کا فیصلہ قطعی ہو گیا کہ مسیح کا قول جو قرآن مجید میں بیان ہوا ہے، وہ زمانہ بلوغت و نبوت کا ہے۔ پس ہمارا مطلب بھی یہی تھا کہ صغیر سنی میں انہوں نے کلام نہیں کی۔

(۳۲) بڑا بوالدتی (ماں کے ساتھ سلوک کر نیوالا) - ذکر یا کی قصہ میں بڑا بوالدتی (والدین سے سلوک کر نیوالا) کہا گیا اور اس قصہ میں بڑا بوالدتی کہا گیا ہے جیسے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ مسیح کا کوئی باپ نہ تھا، اگر ہوتا تو یہاں بھی بوالدتی ہی کہا جاتا۔ لیکن ہم بیان کر آئے ہیں کہ یہ قول حضرت مسیح کا، اُس وقت کا ہے جب اچھے والد کا انتقال ہو چکا تھا، پس اگر اس بات کو یاد رکھا جاوے تو اس اعتراض کا کچھ زخم نہیں رہتا، اور والد کے ساتھ جو زندہ ہی نہ تھے سلوک کر نیکے کچھ معنی نہیں ہیں۔ البتہ اپنی والدہ سے جو نہایت تنگدست تھیں، اور جو بسبب بیوہ ہو جانے کے اور بھی قابل رحم ہو گئی تھیں، سلوک کرنا نہایت عالی جہتی اور محبت فرزندگی کا

(۳۲) ابن مریم اس لفظ سے بھی بہت خرابی ڈالی ہے، لیکن اس خرابی کا اصل باعث یہ ہے کہ عموماً لوگ قرآن مجید سے وہ باتیں ثابت کرنا چاہتی ہیں، جو وہ خود دانتے ہیں، لیکن بجائے اسکے انکو وہ باتیں بانی چاہئیں، جو قرآن مجید میں ہیں، انکو یہ مطلوب نہیں کہ حضرت مسیح کی پیدائش کے نسبت قرآن مجید کیا کہتا ہے، بلکہ یہ مقصود ہے کہ مسیح کے بن باپ پیدا ہونیکا اشارہ کہاں کہاں سے نکل سکتا ہے ۔

چنانچہ الفاظ ابن مریم بھی اسی سلسلہ میں گئے گئے ہیں، مگر ابن مریم کے کہنے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مسیح بے باپ پیدا ہوئے تھے ۔ چھوٹی عمر میں اور قبل اس کے کہ مسیح کو عام شہرت حاصل ہو، یوسف کا انتقال ہو گیا تھا، جیسا کہ پیچھے بیان ہوا، کل خاندان پر بجز مریم کے کوئی سرپرست نہ تھا، علاوہ اس کے مریم و مسیح است قینا سے گلیل کو چلے گئے تھے جہاں کہ یوسف کا کوئی واقف نہ تھا، اس لئے جب حضرت مسیح کو ان کے اور ہمنام آدمیوں سے تمیز کرنا ہوتا تھا، تو ابن مریم کہا جاتا تھا، جو خاندان کے سرپرست تھے اور جیسے وہاں کے لوگ سب واقف تھے (دیکھو سوانح عمری مسیح مصنفہ ارنسٹ سرنڈن صاحب صفحہ ۷۹)

علاوہ اس کے مسیح کے والد کا ذکر نہ کرنے سے یہ کس طرح ثابت ہو سکتا ہے کہ حقیقت میں انکا کوئی والد نہ تھا، دیکھو حضرت موسیٰ کی ولادت کا ذکر جو قرآن مجید میں ہوا ہے، اُنہیں بھی صرف اُن کی والدہ کا

ذکر ہے ، اور ان کے باپ کا کچھ بیان نہیں ہوا۔ اب کیا ہم اسے یہ یقین نکال سکتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ حضرت موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ کتب تواریخ سے پایا جاتا ہے کہ بہت سے لوگوں کی کنیت والدہ سے مشہور ہے چنانچہ ابن ہشہم اور ابن الدقینہ بڑے مشہور معروف شاعر ہوئے ہیں اور یہ دونوں اپنی والدہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ہمارے ناظرین سنکر شاید متعجب ہوں کہ ابن مریم بھی ایک شاعر ہوا ہے۔ حضرت مسیح کے باپ کے نام سے تو بہت لوگ وقف ہی ہیں مگر ان شاعروں کے والدوں کے ناموں سے بہت کم لوگوں کو آگاہی ہوگی۔ مولوی صاحب ہی ان میں سے کسی کے باپ کا نام بتائیں تو ہم نہایت شکرگزار ہوں ، اور آپ کی کمال عربی دانی کا اقرار کریں۔ پس اگر کوئی والدہ کے نام سے مشہور ہونے سے بن باپ مولود متصور ہو سکتا ہے۔ تو ان شاعروں کو بھی اسی فرست میں جگہ ملنی چاہئے۔

باقی بحث مولوی صاحب کے اس باب میں ختم ہوئی ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے دعاوی کا منشا، و بنی یہ امر تھا کہ وہ (حضرت مسیح) بلا باپ متولد مانے اور سمجھے جاتے تھے ، اور یوں ان کے لفظ سے متولد خیال نہ کیے جاتے تھے۔ قرآن مجید نے فریقین کے دعاوی کو باطل کیا ، اور دعاوی کے بنی و منشا، اسی ہی تعرض کیا ، اس منشا کی وجہ کو تو رد نہیں کیا بلکہ مسلم رکھا مگر اسکے لازماً اور نتیجہ کو جو فریقین اُسے نکالتے ہیں رد کر دیا۔ پھر اس بحث کی اجماعاً سوال کرتی ہیں کہ اگر

ابن الومینہ ہو ابوالسک عبد اللہ بن عبید اللہ احد بن عامر ابن تیم اللہ والد مینہ اُمیہ

وہی سلویش شاعر مشہور۔ دائر المعارف جلد اول

قرآن مجید نے منشاء و بنی نزاع فریقین سے تعرض نہیں کیا بلکہ اسکی رو و تسلیم سے سکوت فرمایا، تو قرآن مجید نے پھر کیا فیصلہ کیا اور وہ فیصلہ کیا وقت رکنا ہے؟

یہ بحث حقیقت میں بہت مفید اور ضروری بحث ہے اس لئے ہم بھی اسکی طرف متوجہ ہوتے ہیں، مولوی صاحب نے یہود و نصاریٰ کے منشاء و بنی نزاع کے قرار دینے میں بڑی بھاری غلطی کی ہے، اور اس غلطی سے گویا تمام مضمون جو اس پر بنی تھا نکلا ہو گیا ہے۔ یہود و نصاریٰ کا منشاء نزاع وہ نہ تھا جو ہمارے مولانا سمجھتے ہیں، اگر بلا باپ پیدا ہونے سے ہی وہ خدا کے بیٹی یا مولود ناجائز سمجھے گئے تھے تو لازم تھا کہ وقت ولادت مسیح ہی یہ دونوں دعوے کئے جاتے۔ لیکن وقت ولادت نہ کسی نے ان کو خدا کا بیٹا کہا، نہ مولود ناجائز ہونے کی تہمت لگائی۔ اول سے آخر تک انجیل دیکھو وقت ولادت تو کیا، زندگی بہر میں ان پر مولود ناجائز ہونیکا بہتان ان پر کسی نے نہیں باندھا، اور نہ قرآن مجید میں کوئی قول کھا کا اس مضمون کا بیان ہوا ہے۔ ان کی تصلیب کے وقت ان کے دشمن ان سے ٹٹہ کرتے تھے، کانٹوں کا تاج ان کے سر پر رکھتے تھے، اور انکے چہرہ مبارک پر تمہو کہتے تھے مگر کیلکہ انہیں مولود ناجائز کہنے کی جرات نہیں ہوئی۔ ایک زمانہ کے بعد مسیحوں نے ان غلط خیالات سے جو اکثر مقدس لوگوں کی نسبت کئے جایا کرتے ہیں، اور جنکا بیان ہم مقدمہ کتاب میں کر چکے ہیں، انکو خدا کا بیٹا کہنا شروع کیا، کلام ربانی کی بعض آیات سے جن میں مسیح کو کلمہ اور روح اللہ کہا گیا ہے کوتاہ اندیش عیسائیوں نے

دلالت مسیح

اور زیادہ دہوکے کنایا، اور مسیح کو درجہ الوہیت تک پہنچا دیا۔ جب مسیح کے معتقدوں نے انکو پڑھایا، یہود نے مخالفت مذہبی کے سبب انکو گرایا۔ یہود و نصاریٰ کی باہمی عداوت و مخالفت کا ذکر متعدد جگہ قرآن مجید میں ہوا ہے۔ پس دعویٰ نصاریٰ کی بنیاد اُن کے وہم مزاجی، زود اعتقاد سی اور غلط فہمی تھی کہ روحِ مُنہ سے خدا کا بیٹا سمجھ لیا، اور یہود کی دعویٰ کی بنیاد مخالفت مذہبی اور عداوت قلبی۔ سو خداوند تعالیٰ نے اس منشاء و بنی کو قرآن مجید میں بہت جگہ باطل کر دیا ہے۔ جیسا یوں کا ابطال اس آیت میں ہوا ہے۔ کہ عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک

مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم (مثل آدم کے ہے)

یعنی جس طرح حضرت مسیح کی نسبت کہا گیا ہے "روحِ مُنہ"۔ کلمۃ القاد الے مریم" اسی طرح آدم کی نسبت کہا گیا ہے کہ نفث فیہ روحی۔ پھر جب آدم نفث روح سے خدا کا بیٹا نہ کہلایا تو حضرت مسیح کس طرح کہلا سکتے ہیں۔ پھر ایک اور مقام میں کل انسانوں کی نسبت یہی ارشاد ہوا ہے جنہیں

بعد اخلق الانسان من طین ثم سواہ و نفخ فیہ من روحی (پھر آدم کوئی

خصوصیت آدم یا مسیح کی نہیں رہی۔ اسی قرینہ سے میرا یہ خیال ہے کہ پہلی آیت میں بھی آدم سے مراد نوع انسان ہے نہ کوئی خاص

یہود علیہ السلام لیست النصاری علی شیعی و قالت النصاری لیست الیہود علی شیعی (بعض) القیمنہ بینہم العداۃ و البغضاء الے یوم

القیامت (مآئد)

شخص، اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ عیسیٰ ہیں اور اور انسانوں میں کچھ فرق نہیں، جو اور انسانوں کا طریقہ پیدائش ہے وہی مسیح کا۔
 پہر اور جگہ (سورہ نسا ۷۵) انکو یہ کھکر سمجھایا کہ مسیح خدا کا بندہ ہے اور اسکو بندہ خدا سمجھتے ہیں انکی کچھ کسر شان نہیں ہے۔
 پہر کہا کہ مسیح روز قیامت کو جناب باری تعالیٰ کے حضور میں عرض کریں گے کہ میں نے اپنے تئیں خدا نہیں کہا، مگر میں تو صرف تیرا پیغام پہنچایا اور جب میں مر گیا تو تو اپنا پر نگہبان تھا۔

یہودیوں کو جو شریعت عیسوی کہا تھ سبھتے تھے یوں سمجھایا کہ مسیح میرا رسول ہے اور وہ توریت اور دیگر کتب عہد عتیق کے تصدیق کرتا ہے۔ اُسکی والدہ بھی صدیقہ ہے۔ پس یہ فیصلہ قرآن مجید نے نزاع یہود و نصاریٰ میں کیا، اور جیسا کہ ظاہر ہے کمال وقعت کا فیصلہ ہے اور اُس افراط و تفریط کو دور کر نیوالا ہے جو دوست اور دشمنوں سے وقوع میں آتی ہے، اور جو واقعی بات اور اصلی حالات کو تعریف و توصیف کی جگہ گھٹ، یا طوفانوں اور ہتھکنڈوں کی تاریکی میں چھپا لیتی ہے۔

خاتمہ میں مولوی صاحب نے یہ اعتراض پیش کیا ہے کہ اگر مسیح نفس الامر میں بن باپ کے پیدا نہ ہوا تھا تو یہ کیوں نہ کہا گیا کہ وہ یوسف کا بیٹا ہے اور کیوں بجائے اس کے لوازم منشاء نزاع فریقین کا ابطال کیا گیا۔ لیکن ہم بیان کر چکے ہیں کہ منشاء نزاع کے قرائن

ولادت مسیح

میں مولانا نے غلطی کی ہے ، اور وہ وہ نہ تھا جو انہوں نے خیال فرمایا ہے ، اس واسطے حضرت مسیح کے والد کے نام بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی ۔ علان اس کے اسباب کا کیا جواب ہو سکتا ہے کہ اگر منشا نزاع مسیح کا بے باپ پیدا ہونا تھا اور مسیح واقع میں یوسف کا لڑکا نہ تھا تو کیوں قرآن مجید نے اُسکے بے باپ پیدا ہونے کی صاف صاف تصدیق اور تحکم یوسف سے ہونیکا انکار نہ کیا اور کیوں اس بات کو گول مول رہنے دیا ؟ مولوی صاحب ذرا انصاف سے غور فرمادیں کہ ایک ذرا سے فقرہ میں کہ مسیح یوسف کا یا کسی انسان کا بیٹا نہیں یا فقط اتنا ہی کہنے میں کہ وہ بے باپ پیدا ہوا ہے تمام فیصلہ ہو جاتا اور سب شکوک و شبہات رفع ہو جاتے ، غرض کہ قرآن مجید سے کوئی ثبوت اس بات کا نہیں کہ مسیح بن باپ پیدا ہوا تھا ، بلکہ بعض آیات سے جو گواہی مخصوص حضرت مسیح سے متعلق نہیں ہیں لیکن ان میں عام فطرت انسانی بیان ہوئے ہے ، اس کے خلاف پایا جاتا ہے مثلاً کہا گیا ہے کہ اے لوگو ہمنے تمکو مرد اور عورت

فلیظروا انسان مما خلق من ماءٍ دافیٍ یخرج من بین الصلب والرحمن سے پیدا
والترائب : یا ایہا الناس خلقکم من ذکر و انثی (حق) کیا ہے

ان آیات قرآنی کے مخاطب کوئی خاص قوم یا جماعت نہیں ہے ،

ذکر ماثلے عا آدم و عوا امرائیں یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی لے کل واحد

مکمل ایہا الوجودون وقت النداء فمختفناہ من اب ہام تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ ۳۰۶

بلکہ بلا کسی تخصیص کے ایک عام اور کلی قانون قدرت کو بیان کیا ہے
جس میں سے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ قرآن مجید کی ایسی صریح تعلیم
کو بلا کافی وجہ کے خاص کر ناکسی حالت میں جائز نہیں ہے۔ پس جیسا
کہ مسیح کو زمرہ انسان سے نکالنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، ویسا ہی
انکو ان قوانین فطرت سے مستثنیٰ کر نیکی بھی کوئی وجہ قوی نہیں
ہے، جو انکی اور پھنسوں سے متعلق ہیں۔

ہم خیال کرتے ہیں کہ ہنسنے اس مضمون کی ہر ایک پہلو کو دیکھ بھال
لیا ہے، اور حضرت مسیح اور ان کے ام صدیقہ و عقیقہ کو ہر ایک
طرح کی تمت سے بری کیا ہے، ہمارے بنی خاتم الرسل نے بھی انکو
تمت یہود سے بچایا تھا، ہمارا بھی یہی فرض ہے کہ یہود غش مسلمانوں
اور فریسی صفت عالوں کے ہتھانوں سے جو وہ نادانستہ کرتے ہیں
ان بزرگوں کو بچایا جاوے۔ فقط



اعلان

انجمن اخوان الصفا نے رسالہ ہذا احباب کی فرمائش سے طبع کرایا
اور اس لئے صرف دو سو نسخہ چھاپے گئے ہیں جن میں سے کچھ زبرد
کاغذ پر ہیں اور کچھ سفید و لایتی کاغذ پر جنکو رسالہ ہذا کی خریداری
منظور ہو رہا ہے ان سے طلب فرمائیں + حافظ فضل احمد متعلم سید کل کالج لاہور

FIELD SECTION

[illegible]

RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over - due.

